مصنف: عدیل گیلانی

نام کتاب: قرطاسِ اردو

مضمون: اردو بطور ثانوی زبان برائے اولیول (3248)

مصنف: عدیل گیلانی

قیمت: 1800 روپے (پاکستانی)، 25 ڈالر (امریکی)، 20 پاؤنڈز (برطانوی)، 22 یورو (یورپی)

طبع اول: 2014ء

طبع دوم: 2015ء

طبع سوم: 2016ء

طبع چہارم: 2017ء

طبع پنجم: 2018ء

آئی ایس بی این نمبر:۔ 978-969-7853-04-05

ناشر: نفیس پبلشرز، اسلام آباد، پاکستان

برائے رابطہ: 03456900055

ای میل: urdunetwork.net@gmail.com

عدیل گیلانی نے سِمکو پلس پرنٹرز، اسلام آباد سے 70 گرام کے پیپر پر چھپوا کر النفیس پبلشرز کی جانب سے شائع کروایا۔

انتساب

میرے ادبی، فکری، نظریاتی، روحانی اور نفسیاتی رہنما

مفکرِ پاکستان، مصورِ پاکستان، شاعرِ مشرق، حکیم الامت

ڈاکٹر علامہ

محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کے فکر و فلسفہ اور تخیل کے فیضان نے مجھ ناچیز کو خودی میں ڈوب کر کائنات کو مسخر کرنے کے قرآنی تصور کا فہم عطا کیا۔

عرضِ مصنف

محترم اساتذہ کرام اور طلبہ عزام !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سب سے پہلے میں ان اساتذہ کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کے ابتدائی پانچ طباعتوں کو عمیق اور ناقدانہ انداز میں نہ صرف پڑھا بلکہ ان پر اپنی تجاویز و آراء بھی ارسال کیں۔راقم الحروف نے ہر مفید اور مخلص مشورے پر عمل کرتے ہوئے کتاب میں جابجا تبدیلیاں کیں۔

کتاب لکھنے کا خیال مجھے اس وقت آیا جب ستمبر 2015ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے جناب مصطفیٰ اعظمی صاحب پاکستان تشریف لائے اور انھوں نے میریٹ ہوٹل ،اسلام آباد میں تربیتِ اساتذہ کی ایک ورکشاپ منعقد کی۔میرے ذہن میں یہ خیال رہ رہ کر آتا رہا کہ کیوں نہ امتحانی اصول و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسی کتاب منظرِ عام پر لائی جائے جس سے بیک وقت طلبہ اور اساتذہ فیض یاب ہو سکیں۔اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں بہت سے مسائل مانع تھے جن میں میری کم مائیگی ،ناتجربہ کاری اوراشاعت کے اخراجات کی عدم دستیابی پیش پیش تھی۔لیکن میں نے اپنے رفقاء کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے باعث لکھناشروع کر دیا۔

یہ نسخہ پیپر 1 اور پیپر 2، دونوں پر مشتمل ہے۔پیپر 1 اور پیپر 2، دونوں کے لیے الگ الگ جلد کا اہتمام کیا گیا ہے کیونکہ ایک ہی جلد میں دونوں کو شامل کرنے کی صورت میں ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے طلبہ کے لیے ورک شیٹوں پر کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے ان کی آسانی کے لیے اب کتاب دو الگ الگ جلدوں میں پیش کی جارہی ہے۔جس میں پیپر حل کرنے کے سلسلے میں ہر سوال سے متعلق رہنمائی، حل شدہ پرچے اوران کے ساتھ ساتھ میں ان پرچوں کو حل کرنے کی مشق کے لیے قرطاسِ ہائے کار مہیا کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب میرے تدریسی تجربات کا نچوڑ ہے۔اپنی دانست میں ،میں نے اس کتاب کو ہر زاویے سے مکمل اور معاون بنانے کی کوشش کی ہے۔اس کے باوجود بھی کہیں کسی سہو کا امکان موجود ہے۔اس سلسلے میں اساتذہ کرام سے التماس ہے کہ اپنی تجاویز و آراء سے مطلع فرمائیں تاکہ کتاب میں بہتری لائی جاسکے۔دعاؤں میں یاد رکھیں۔شکریہ

خیر اندیش:عدیل گیلانی

اسلام آباد

ای میل:syedadeelahmedgilani@gmail.com

فہرست عنوانات

محاورات سے جملہ بندی

اس سوال میں کل مارکس حاصل کرنے کا طریقہ

کل نمبر: 5

محاورات کو جملوں میں استعمال کرتے ہوئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:۔

محاورے کے دو اجزاء ہوتے ہیں۔ پہلا جزو "اسم" اور دوسرا جزو "فعل" ہوتا ہے۔ جیسے "آگ کا دریا پار کرنا" ایک محاورہ ہے۔ اس کا پہلا حصہ "آگ کا دریا" اسما اور دوسرا حصہ "پار کرنا" فعل ہے۔

محاورے میں اسم اور فعل دونوں اپنے لفظی / لغوی / حقیقی معانی میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً "نو دو گیارہ ہونا" کا لفظی / لغوی / حقیقی معانی ہے کہ تعداد میں نو یا دو یا گیارہ ہونا جب کہ مجازی طور پر اس کا معنٰی ہو گا "فرار ہو جانا"۔

کیمبرج میں محاورے کو جملے میں استعمال کرنے سے متعلق سوال آتا ہے، جملے میں محاورے کا ذکر کرنے سے متعلق سوال نہیں آتا۔ بعض طلبہ محاورے کا جملہ نہیں بناتے بلکہ جملے میں محاورے کا ذکر کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں ممتحن جواب نمبر نہیں دیتا۔ ذیل میں جملے میں استعمال اور ذکر، دونوں کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

استعمال	ذکر
ارشد نے چوری کر کے خاندان کی ناک کٹوا دی۔	ہماری کتاب میں "خاندان کی ناک کٹوانا" محاورہ لکھا ہوا ہے

امتحان میں پانچ محاورے دے کر امیدوار کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ محاورات کو جملوں میں اس طرح استعمال کرے کہ ان کے مفاہیم واضح ہو جائیں۔ اس لیے جملے بناتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ جملوں کو پڑھ کر معلوم ہو کہ ان میں محاورات کن معنوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔

امتحان میں محاورات سے جملے بنانے والے سوال کے پانچ نمبر ہوتے ہیں۔

آب آب ہونا:(شرمندہ ہونا)استاد نے ساری جماعت کے سامنے اسد کی ایسی خبر لی کہ وہ آب آب ہو گیا۔

آبرو پر حرف آنا:(عزت کم ہونا)میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا کہ میرے خاندان کی آبرو پر حرف آئے۔

آبرو خاک میں ملانا:(بے عزت کرنا)علی نے چوری کر کے اپنے خاندان کی آبرو خاک میں ملا دی۔

آب ودانہ اٹھ جانا:(رزق ختم ہونا)جب اس شہر سے ہمارا آب ودانہ ہی اٹھ چکا تو یہاں ٹھہرنے سے کیا حاصل؟

آپے سے باہر ہونا:(غصہ یا خوشی میں بے قابو ہونا)سحر میں صبر و تحمل نام کی کوئی چیز نہیں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔

آٹھ آٹھ آنسو رونا: (زار زار رونا)اپنے باپ کی وفات پر اسلم آٹھ آٹھ آنسو رویا۔

آڑے آنا:(مصیبت کے وقت مدد کرنا)ایک اچھا دوست ہی مصیبت کے وقت آڑے آتا ہے۔

آڑے ہاتھوں لینا: (خبر لینا ، لتاڑنا)اسد نے شرارت کی تو ابا جان نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

آستینیں چڑھانا: (لڑنے مرنے پر تیار ہونا) آج کل تو نوجوان معمولی باتوں پر آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔

آستین میں سانپ پالنا: (دشمن کی پرورش کرنا) سوتیلے بیٹے کی حرکتوں نے ثابت کر دیا کہ ماجد آستین میں سانپ پال رہا ہے۔

آسمان پر چڑھانا: (بہت تعریف کرنا) ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار نے طاہر کو آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔

آسمان سر پر اٹھا لینا: (اودھم مچانا) بچے سکول سے گھر آتے ہی آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

آسمان سے باتیں کرنا: (بہت اونچا ہونا) بادشاہی مسجد کے مینار آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔

آسمان سے تارے توڑنا: (مشکل اور ناممکن کام کرنا) اس ملک سے بدعنوانی کا خاتمہ کرنا آسمان سے تارے توڑنے کے برابر ہے۔

آنکھیں پھیر لینا: (بے رخی کرنا) دولت آتے ہی اسد نے سب رشتہ داروں سے آنکھیں پھیر لیں۔

آنکھیں چار ہونا: (ملاقات ہونا) بازار جاتے ہوئے ایک پرانے دوست سے میری آنکھیں چار ہو گئیں۔

آنکھیں دکھانا:(ڈرانا ، دھمکانا) بچوں کی بدتمیزی دیکھ کر ماں باپ انھیں آنکھیں دکھانے لگے۔

آنکھیں چرانا:(کترانا) نوید کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے وہ سب سے آنکھیں چرانے لگا۔

آنکھیں کھلنا: (حقیقت واضح ہونا) علی ویسے تو بہت پارسا بنتا ہے مگر اس کے کرتوت دیکھ کر سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

آوازے کسنا:(ہنسی اڑانا ، طنز کرنا) راہ چلتے لوگوں پر آوازے کسنا شریف لوگوں کا کام نہیں۔

آنکھیں سفید ہونا:(بینائی ختم ہونا) گمشدہ بیٹے کی یاد میں رو رو کر ماں کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔

آگ بگولا ہونا:(غضب ناک ہونا)بچوں کو شور مچاتا دیکھ کر پرنسپل صاحب آگ بگولا ہو گئے۔

آنکھوں کے آگے پھرنا:(تصور میں کسی کا ہو بہو سامنے آنا) دادی اماں کا نورانی چہرہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا ہے۔

آنکھوں میں دھول جھونکنا:(فریب دینا، دھوکہ دینا) ٹیکسی ڈرائیور، سادہ لوح دیہاتی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کا سامان لے بھاگا۔

آنکھوں میں رات کاٹنا:(بے قراری میں جاگنا) نتیجے کے انتظار میں حسن نے رات آنکھوں میں کاٹ دی۔

آنکھیں بچھانا:(بہت آؤ بھگت کرنا) میزبان اپنے مہمانوں کی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑے تھے۔

آنکھوں پر چربی چڑھنا:(بے مروتی کرنا) جب دولت کی وجہ سے انسان کی آنکھوں پر چربی چڑھتی ہے تو وہ اپنے عزیزوں کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے۔

آنکھوں میں کھٹکنا:(ناگوار گزرنا) اسد کی مشکوک حرکتیں ہمیشہ سب کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔

آنکھیں نیلی پیلی کرنا:(غصہ دکھانا) آنکھیں نیلی پیلی مت کرو، آج تمہاری اولاد تمہارے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے رہے ہو۔

آنکھوں میں پھرنا (بسنا):(ہر وقت خیال میں رہنا) جب سے میں پردیس میں آیا ہوں ماں باپ کی صورتیں میری آنکھوں میں پھرتی رہتی ہیں۔

آفت ڈھانا یا مچانا:(مصیبت کھڑی کرنا ، ہنگامہ کرنا) رشیدہ کے بچے کسی کے گھر جا کر وہ آفت ڈھاتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی!۔

آسمان ٹوٹ پڑنا:(قہر نازل ہونا) والدین کی اچانک وفات کیا ہوئی بچوں پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

آب دیدہ ہونا:(آنکھوں میں آنسو بھر آنا)کشمیریوں،افغانیوں اور عراقیوں پر مظالم کی روداد سن کر غیر ملکی صحافی بھی آب دیدہ ہو گئے۔

آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جانا:(حیران رہ جانا)خزانہ دیکھ کر علی بابا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

آنکھیں پتھرانا:(آنکھوں کا بے نور ہو جانا) گم شدہ بیٹے کا انتظار کرتے کرتے بوڑھی ماں کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

آبرو پر پانی پھرنا:(بے عزت کرنا)بجلی چوری کے جرم میں گرفتار ہو کر اس نے اپنے خاندان کی آبرو پر پانی پھیر دیا۔

آبرو کو بٹا لگانا:(بے عزت کرنا) تمہارے غلط کاموں کی وجہ سے خاندان کی آبرو کو بٹا لگا۔

ارسطو سے کم نہ ہونا:(کسی عقل مند کو طنزیہ کہنا) پاکستان کے مسائل کا آپ جو حل بتا رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بھی ارسطو سے کم نہیں۔

ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا:(بے حد جلدی میں ہونا)علی صاحب، علی صاحب! ارے بھئی رکیے،میں کب سے آپ کو آوازیں دے رہا ہوں مگر آپ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔

ناک چوٹی میں گرفتار ہونا(رہنا):(ہر وقت بناؤ سنگھار میں لگے رہنا، غیرت دار اور مغرور ہونا) بیگم فاخرہ کسی کو کیا جانتی ہیں، وہ تو آپ ہی ناک چوٹی میں گرفتار ہیں۔

آسمان پر چڑھانا:(بے جا تعریف کرنا) ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار نے عرفان کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔

آنتوں کا قل ھو اللہ پڑھنا:(سخت بھوکا ہونا)سحری کے وقت پیٹ بھر کر نہ کھانے کے باعث اب میری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔

آگ بگولا ہونا:(بہت غصے میں آنا) بیٹے کے قاتل کو آزادانہ گھومتا دیکھ کر باپ آگ بگولا ہو گیا اور اس پر حملہ کر دیا۔

آنکھ ملانا:(نگاہیں برابر ہونا، آمنا سامنا ہونا) اگر وہ سچا ہے تو مجھ سے آنکھ ملا کر بات کرے، مگر مجھے یقین ہے کہ اس میں اتنی اخلاقی جرات نہیں۔

آنکھوں پر پٹی باندھنا:(جان بوجھ کر انجان بن جانا) لالچ نے اسلم کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے ورنہ وہ جانتا ہے کہ رشوت کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے۔

آنکھوں کے سامنے پھرنا:(ہر وقت خیال میں رہنا) نانی جان کا پر نور چہرہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا ہے۔

اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا:(اپنا نقصان خود کرنا) امتحانات سے چند دن پہلے اپنے نوٹس ایک اجنبی طالب علم کو دے کر اس نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار لی۔

اپنے ڈھائی چاول الگ گلانا:(سب سے الگ رہنا ، کسی سے اتفاق نہ کرنا) اکبری کو کسی سے پیار تھا نہ محبت، ہمیشہ اپنے ڈھائی چاول الگ گلاتی رہتی تھی۔

اپنی کھال میں مست رہنا:(اپنے حال میں خوش رہنا)علی اپنی کھال میں مست رہنے والا انسان ہے، اسے کسی کی دولت سے کیا غرض!

اڑھائی دن کی باد شاہت:(نا پائیدار کام) آصفہ نے ایک رئیس مگر بوڑھے اور بیمار آدمی سے شادی تو کر لی لیکن اسے نہیں معلوم کہ یہ تو اڑھائی دن کی باد شاہت ہے۔

اپنا الو سیدھا کرنا:(ذاتی غرض حاصل کرنا) خود غرض لوگ اپنا الو سیدھا ہوتے ہی دوسروں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

ایڑیاں رگڑنا:(مصیبت اور تکلیف میں ہونا) ایڑیاں رگڑر گڑ کر جینے سے بہتر ہے انسان مر جائے۔

اپنا سا منہ لے کے رہ جانا:(شرمندہ ہونا) اس نے دعوے تو بہت کیے تھے مگر نتیجہ دیکھ کر وہ اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

اوسان خطا ہونا:(ہوش جاتا رہنا) شیر کو سامنے دیکھ کر بچوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

اوس پڑنا:(افسردہ ہونا) پیسوں کی کمی کی وجہ سے اس کے سارے منصوبوں پر اوس پڑ گئی۔

اونے پونے داموں بیچنا:(سستے داموں بیچنا)مرزا صاحب نے اپنی بائیسکل اونے پونے بیچ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

ایڑی چوٹی کا زور لگانا:(پوری کوشش کرنا) امتحان میں کامیابی کے لیے بچوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

اینٹ سے اینٹ بجانا:(تباہ کرنا)پاکستانی شہبازوں نے دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

اینٹ کا جواب پتھر سے دینا:(سختی کا جواب زیادہ سختی سے دینا)اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔

اٹھکیلیاں کرنا:(شوخیاں کرنا)چھوٹے بچے مانوس لوگوں کو دیکھ کر اٹھکیلیاں کرنے لگتے ہیں۔

اش اش کرنا:(بے اختیار تعریف کرنا)علی کی دھواں دار تقریر سن کر ہال میں موجود سب لوگ اش اش کر اٹھے۔

اپنے منہ میاں مٹھو بننا:(اپنی خوبیاں گنواتے رہنا) اسلم کو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا بہت شوق ہے جب دیکھو اپنی خوبیاں گنوا رہا ہوتا ہے۔

انگلیوں پر نچانا:(بہت تنگ کرنا) آج کل کے بچے نئی نئی فرمائشیں کر ماں باپ کو انگلیوں پر نچاتے ہیں۔

الٹی پٹی پڑھانا:(بہکانا)اسلم کی بیوی نے ایسی الٹی پٹی پڑھائی کہ وہ اپنے ماں باپ سے ہی خفا ہو گیا۔

الٹی سیدھی سنانا:(برا بھلا کہنا) ساس نے بہو کو کسی بات پر ٹوکا تو وہ اسی الٹی سیدھی سنانے لگی۔

الو بولنا:(بہت ویران ہونا) اس حویلی میں کبھی بہت چہل پہل ہوتی تھی لیکن آج یہاں الو بولتے ہیں۔

اللے تللے کرنا:(فضول خرچ ہونا) اگر اللے تللے جاری رہے تو تمہارے باپ کی کمائی ہوئی ساری دولت جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

انگاروں پر لوٹنا:(بیقرار ہونا) اپنے دوست کے ہاتھوں بے عزت ہونے کے بعد وہ ساری رات انگاروں پر لوٹتا رہا۔

انگلیاں اٹھانا:(بدنام کرنا،رسوا کرنا،اشارہ کرنا) نعیم کی بری عادات کی وجہ سے آج سب لوگ اس کے خاندان پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔

انیس بیس کا فرق:(معمولی فرق ہونا) علی اور عمران کی لکھائی میں انیس بیس کا فرق ہے۔

انگلی دھرنا:(نقص نکالنا) مصور نے ایسی عمدہ تصویر بنائی کہ کسی کو انگلی دھرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اِس کان سے سن کے اُس کان سے اڑادینا:(بالکل توجہ نہ دینا) آج کل کے بچے بڑوں کی باتوں کو اِس کان سے سنتے اور اُس کان سے اڑا دیتے ہیں۔

الٹی گنگا بہانا:(خلافِ دستور کام کرنا)انکم ٹیکس افسر نے جب رشوت لینے سے انکار کیا تو علی حیران رہ گیا کہ یہ کیسی الٹی گنگا بہنا شروع ہو گئی ہے۔۔سیلاب سے تباہی تو غریب کسانوں کی ہوئی لیکن حکومت بڑے ذمہ داروں کو امداد دے کر الٹی گنگا بہا رہی ہے۔

انگشت بدنداں ہونا:(حیران رہ جانا ، انگلی دانتوں میں دبالینا)۔امریکہ کی دوغلی پالیسی پر ہر ذی ہوش پاکستانی انگشت بدنداں ہے۔

اوڑھنا بچھونا:(عادت بنا لینا ، لازمی چیز) اگر تم سچائی کو اوڑھنا بچھونا بنا لو گے تو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب رہو گے۔

ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا:(سب سے ایک جیسا سلوک کرنا) حاجرہ ایک شکی مزاج عورت ہے اسے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی عادت ہے۔

اپنے گریبان میں منہ ڈالنا:(اپنے عیبوں کو دیکھنا) اگر ہم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھیں تو کبھی بھی دوسروں کے عیب تلاش نہ کریں۔

اڑن چھو ہونا:(غائب ہونا) چائے پی کر اس کی دن بھر کی تھکن اڑن چھو ہو گئی۔

آگ لگانا:(فتنہ برپا کرنا) تمہاری چغل خوری نے دونوں خاندانوں کے درمیان جو آگ لگائی ہے وہ اب کیسے بجھے گی؟

آگ پانی کا بیر ہونا:(پرانی دشمنی ہونا ، دو چیزوں میں قدرتی طور پر اختلاف ہونا) بھلا شیر اور بکری بھی ایک گھاٹ پرپانی پی سکتے ہیں!ان میں تو آگ پانی کا بیر ہے۔

آگ کے مول بکنا:(بہت مہنگا) مہنگائی کے اس دور میں دال سبزی تک آگ کے مول بک رہی ہے۔

از خود رفتہ ہونا:(اپنے آپ میں نہ رہنا ، بے قابو ہونا) مدتوں بعد اپنے بچھڑے ہوئے بھائی کو دیکھ کر وہ از خود رفتہ ہو گئی۔

آئینے میں بال آنا:(شک ہونا) میں تو علی صاحب کو شریف آدمی سمجھتی تھی لیکن ان کی حرکتیں دیکھ کر آئینے میں بال آ گیا۔

باتوں میں اڑا دینا:(مذاق میں اڑا دینا ، بات کو سنجیدگی سے نہ لینا) والدین کی نصیحتیں باتوں میں اڑا دینے کے بجائے دھیان سے سننی اور یاد رکھنی چاہییں۔

باچھیں کھِل جانا:(بہت خوش ہونا) انعامی سکیم میں اپنا انعام نکلنے کی خبر سن کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔

بارِخاطر گزرنا:(ناگوار گزرنا، برا لگنا) مہمانوں کا بے وقت آنا اسے بارِ خاطر گزرا۔

باسی کڑھی میں ابال آنا:(بعد از وقت جوش آنا) اکرم مجھے بے نقط سنا کر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد باسی کڑھی میں ابال آیا مگر تب کیا فائدہ۔

بغلیں جھانکنا:(شرمندہ ہونا) استا د نے جب طالب علم سے اس کی رٹی رٹائی تقریر کے چند نکات کا مطلب پوچھا تو وہ بغلیں جھانکنے لگا۔

بات کاٹنا:(دوسرے کی بات کے درمیان میں بولنا)کسی کی بات کاٹنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔

بات کا بتنگڑ بنانا:(چھوٹی سی بات کو بڑھانا) چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنانا اکرم کی پرانی عادت ہے۔

باتوں میں آنا: (دھوکے میں آنا)ذیشان اتنا بھولا ہے کہ ہر کسی کی باتوں میں آ جاتا ہے۔

بازار گرم ہونا:(کسی چیز کا زور ہونا) سیاستدانوں نے ہمارے ملک میں رشوت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

بال بال بچنا:(حادثے کی لپیٹ میں آتے آتے بچنا، محفوظ رہنا)حادثے میں علی اور اس کے گھر والے بال بال بچ گئے۔

باغ باغ ہونا:(خوش ہونا)چھٹی کی خبر سن کر بچے باغ باغ ہو گئے۔

بال بال جکڑنا:(بہت بری طرح پھنسنا)حامد کی فضول خرچیوں کی وجہ سے اس کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔

بال بیکا نہ ہونا:(مطلق نقصان نہ ہونا)حادثہ بہت خوفناک تھا مگر کسی مسافر کا بال تک بیکا نہ ہوا۔

بال کی کھال اتارنا:(باریکیاں نکالنا)فرحان بال کی کھال اتارنے میں اتنا ماہر ہے کہ اس سے بحث کرنا ہی فضول ہے۔

بول بالا ہونا:(شہرت ہونا)کرکٹ کی دنیا میں پاکستانی فاسٹ بولرز کا بول بالا ہے۔

بھانڈا پھوڑنا:(بھید ظاہر کرنا)تم اپنا کوئی بھی بھید علی پر ظاہر نہیں کرنا وہ سب کے سامنے تمہارا بھانڈا پھوڑ دے گا۔

بے پر کی اڑانا:(گپ اڑانا)کریم کی باتوں پر یقین نہیں کرنا وہ ہمیشہ بے پر کی اڑاتا ہے۔

بے نقط سنانا:(گالیاں نکالنا) سنگدل مالک چھوٹی سی غلطی پر نوکر کو بے نقط سنانے لگا۔

بیڑہ اٹھانا:(ذمہ اٹھانا) قائداعظم نے پاکستان بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔

بات کھلنا:(بھید ظاہر ہونا)ابھی تو شاکر اس معاملے میں خاموش ہے جب بات کھلے گی تو معلوم ہو گا کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟

بلائیں لینا:(قربان جانا) عید کے دن بچے تیار ہو کر جب دادی جان کے پاس گئے تو وہ ان کی بلائیں لینے لگیں۔

بیل منڈھے چڑھنا:(مقصد حاصل کرنا ، کامیاب ہونا) جب تک تمہاری سوتیلی ماں زندہ ہے، تمہاری شادی کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔

بڑی بات نہ ہونا:(کچھ مشکل نہیں) اگر تم کار کے بغیر چند قدم پیدل چل لو گے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔

بڑی بات ہونا:(اچھا ہوا) سنگین جھگڑے کے بعد فریقین کا صلح کرنا،بڑی بات ہوئی۔

بے ڈھب ہونا:(بے قابو ہونا،انوکھا،داؤ پیچ میں نہ آنے والا)وہ بے ڈھب،شاطر اور بے رحم انسان ہے۔

بات سنوارنا: (بات بنانا) بات بگاڑنے میں ہر کوئی ماہر ہوتا ہے لیکن بات سنوارنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

بات سے پھرنا: (مکر جانا) اپنی بات سے پھرنا ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

بات پھیلنا:(مشہور ہونا) اگر علی کے گرفتار ہونے کی بات پھیل گئی تو پورے خاندان کی بے عزتی ہو گی۔

بنا ڈالنا:(ابتدا کرنا / بنیاد رکھنا) مسلمان تاجروں نے بر صغیر میں اسلام کی بنیاد ڈالی۔

بڑا پاک ہونا:(نہایت بے حیا اور بے غیرت)شیخ صاحب دوسروں کو تو ایسے نصیحت کرتے ہیں جیسے وہ خود تو بڑے پاک ہیں۔

بسم اللہ ہی غلط ہونا:(پہلے کام میں ہی غلطی ہونا) انٹرویو میں ہی جھوٹ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بسم اللہ ہی غلط کر رہے ہیں۔

بھیگی بلی بننا:(مسکین بن جانا)علی گھر میں شیر اور بہت باتونی ہے مگر گھر سے باہر بھیگی بلی بنا چپ چاپ رہتا ہے۔

بات بڑھانا:(جھگڑا بڑھانا) تم دونوں بھائیوں کو یہ معاملہ ٹھنڈے دل سے طے کر نا ہو گا، کیوں کہ بات بڑھانے سے اپنے ہی خاندان کی ذلت ہو گی۔

بات کو کھٹائی میں ڈالنا:(معاملہ ملتوی کرنا) بزرگوں نے معاملہ طے کروا ہی دیا تھا، مگر ایک فریق کی لا پرواہی نے بات کو پھر کھٹائی میں ڈال دیا۔

بات پکڑنا:(تنقید کرنا) وزرا کو چاہیے کہ سوچ سمجھ کر بات کیا کریں کیونکہ صحافی حضرات کوئی بات پکڑ لیں تو آسانی سے نہیں چھوڑتے۔

پاپڑ بیلنا: (مصیبت اٹھانا) انسان کو بلند مقام حاصل کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

پالا پڑنا: (مقابلہ ہونا / سامنا ہونا) اللہ نہ کرے تم جیسے فضول آدمی سے میرا پالا پڑے۔

پانی پانی ہونا:(شرمندہ ہونا) فراز کی بے ہودہ گفتگو سن کر سب لوگ پانی پانی ہو گئے۔

پاؤں پھیلا کر سونا: (بے فکری سے سونا) چھٹی والے دن بچے پاؤں پھیلا کر سوتے رہتے ہیں۔

پتھر پر لکیر ہونا:(کبھی نہ بدلنے والی بات ، فیصلہ ، چیز) قائداعظم کی ہر بات پتھر پر لکیر ہوتی تھی۔

پہاڑ ٹوٹ پڑنا:(بہت ساری مصیبتیں آنا) والد کی وفات کے بعد قاسم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

پھولا نہ سمانا: (بہت خوش ہونا) نئ نوکری کی خوشی میں سعادت خوشی سے پھولا نہ سمایا۔

پیٹ کاٹنا: (کفایت کرنا) قاسم کے والد نے اپنا پیٹ کاٹ کر اسے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔

پانچوں انگلیاں گھی میں ہونا: (ہر طرف سے فائدہ ہونا) قاسم کا کاروبار بھی خوب چل پڑا اور پھر پرائز بانڈ بھی نکل آیا اس کی تو پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں۔

پیچ و تاب کھانا:(غصے میں آنا)اپنے رشتہ داروں کی باتیں سن کر وہ ساری رات پیچ و تاب کھاتا رہا۔

پروان چڑھانا: (کمال کو پہنچانا) اس ملک کو پروان چڑھانے میں ہمارے بزرگوں کی انتھک کوششیں شامل ہیں۔

پیٹ کا ہلکا ہونا: (راز کو چھپا نہ سکنا) خرم پیٹ کا بہت ہلکا ہے وہ ہر کسی کو تمہارا راز بتا دے گا۔

پہلو تہی کرنا: (نظر انداز کرنا)غریب رشتہ داروں سے پہلو تہی کرنا بہت بری بات ہے۔

پھونک پھونک کر قدم اٹھانا: (احتیاط سے آگے بڑھنا)زندگی کی راہوں میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔

پیٹھ دکھانا:(لڑائی سے بھاگ جانا)بہادر فوجی جنگ میں کبھی بھی پیٹھ نہیں دکھاتے۔

پانی میں آگ لگانا:(جہاں لڑائی نہ ہو وہاں لڑائی کروا دینا)ایسے بد طینت اور کمینہ صفت لوگوں سے بچنا چاہیے جو کہ پانی میں آگ لگاتے ہیں۔

پانچ سواروں میں ہونا:(اپنے آپ کو بڑے آدمیوں میں شمار کرنا)اپنی کم آمدنی کے باوجود وہ اکثر فائیو سٹار ہوٹلوں میں جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ بھی پانچ سواروں میں ہے۔

پگڑی اچھالنا:(بے عزتی کرنا)وڈیروں اور زمین داروں کے نزدیک غریب کسانوں کی پگڑی اچھالنا معمولی بات ہے۔

پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑنا:(بری طرح پیچھے پڑ جانا)معمولی سی غلطی پر وہ پنجے جھاڑ کر کلرک کے پیچھے پڑ گیا۔

پیٹ پر پتھر باندھنا:(فاقے کرنا ، بھوکا رہنا)غزوہ خندق کے دوران حضور ﷺ کئی دن تک پیٹ پر پتھر باندھے رہے۔

پانسا پلٹنا:(حالت بدل جانا)ٹیپو سلطان کے جوابی حملے سے جنگ کا پانسہ پلٹ جایا کرتا تھا۔

پیٹ میں چوہے دوڑنا : (بہت بھوک لگنا)ناشتا نہ کرنے کی وجہ سے اس وقت میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

پتھر کا کلیجہ ہونا:(ظالم ہونا)صدر بش کا تو پتھر کا کلیجہ ہے جس نے ہزاروں انسانوں کی جانیں لے لیں۔

بات ٹھہرنا:(معاملہ طے ہونا) کلثوم کی اپنے ماموں زاد سے شادی کی بات ٹھہر چکی ہے۔

بات پھیرنا:(موضوع گفتگو بدل دینا ، بات بدل دینا)کلیم نے جیسے ہی ابا جان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو خوب صورتی سے بات پھیر دی۔

پھول برسنا،جھڑنا:(خوش کلامی)حضور ﷺ کا اندازِ گفتگو اتنا خوب صورت تھا کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا گویا پھول جھڑ رہے ہوں۔

پھول چڑھانا:(کسی قبر یا مزار پر ہار یا پھول ڈالنا) دادا جان ہر جمعرات کو حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر پھول چڑھانے جاتے ہیں۔

پھول چننا:(پھول توڑنا) مالن پھول چن رہی تھی کہ اچانک ایک کانٹا اس کے انگلی میں چبھ گیا۔

پاؤں کی جوتی سمجھنا:(ذلیل و حقیر سمجھنا)جاہل اور متکبر مرد ہی عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔

پھیکا پڑ جانا:(گھبرا جانا ، رنگ اڑ جانا)شوہر کو غصے میں دیکھ کر بیوی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

پھونک دینا:(جلا ڈالنا ، تباہ کر دینا)عالیہ کی بد سلیقگی اور پھوہڑ پن نے اس کا گھر پھونک دیا۔

پیانہ بھر جانا:(حد ختم ہو جانا) جھگڑا اور فضول بحث بند کرو، کیوں کہ میرے صبر کا پیانہ بھر گیا ہے۔

پھپھولے پھوڑنا:(غصہ نکالنا ، دل کا غبار نکالنا)میں جب بھی اس سے ملتی ہوں، وہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا شروع کر دیتی ہے کیوں کہ اس کے سسرال والوں نے اس کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔

ترکی بہ ترکی جواب دینا:(منہ توڑ جواب دینا)بھارت کے حملے کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے سب پاکستانی تیار ہیں۔

تلوار کے گھاٹ اتارنا:(قتل کرنا)حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے مرحب جیسے پہلوان کو ایک ہی لمحے میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

تین تیرہ ہونا:(بکھر جانا)پولیس نے لاٹھی چارج کیا تو جلسے کے شرکا تین تیرہ ہو گئے۔

تارے گننا:(رات بھر جاگتے رہنا) صبح کے انتظار میں اشرف رات بھر تارے گنتا رہا۔

تگ و دو کرنا:(کوشش کرنا)زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے ہر لمحہ تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔

تین پانچ کرنا:(بحث کرنا)گاہکوں سے قیمتوں کے معاملے میں تین پانچ کرنا دکانداروں کا معمول ہے۔

تن بدن میں آگ لگنا:(غصہ آنا)علی کی جلی کٹی باتیں سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

تیور بدلنا:(انداز بدلنا)بچوں کی بد تمیزی دیکھ کر ماں باپ کے تیور بدل گئے۔

تار تار ہونا:(ٹکڑے ٹکڑے ہونا) نائلہ کا بالکل نیا دوپٹہ بچوں نے کھیلتے کھیلتے تار تار کر دیا۔

تین حرف بھیجنا:(لعنت بھیجنا)امین کی بد زبانی سن کر علی نے اس پر تین حرف بھیجے۔

تر دامن ہونا: (گناہ گار ہونا)اس دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ تر دامن نہیں۔

تختہ الٹنا:(انقلاب لانا)باغیوں نے حکومت کا تختہ الٹ کر بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔

تصویر کھینچنا:(نقشہ بنانا)مسدسِ حالی میں شاعر نے اسلام کے عروج و زوال کی ایسی تصویر کھینچی کہ ہر کوئی واہ واہ کر اٹھتا ہے۔

تصویر بن جانا:(حیرت سے ساکت ہو جانا)معذور شخص کی ہمت اور خود اعتمادی دیکھ کر صحافی تصویر بن کر رہ گیا۔

تہ و بالا ہونا:(تباہ کرنا)ہماری بہادر بری فوج نے دوار کا کا قلعہ تہ و بالا کر ڈالا۔

تمام ہونا:(ختم ہونا)جب اس کی ساری دولت تمام ہو جائے گی تب ہی اس کی عقل ٹھکانے آئے گی۔

تقدیر پھوٹنا:(بد نصیبی چھا جانا)میری تقدیر پھوٹی تھی جو میں نے ایسے نمک حرام ملازم پر بھروسا کیا۔

تلے کے دانت تلے،اوپر کے اوپر رہ جانا:(ٹکڑے ٹکڑے ہونا، منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ، باعثِ حیرت ہونا)خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ پڑھ کر کمشنر صاحب کے تلے کے دانت تلے،اوپر کے اوپر رہ گئے۔

تان اڑانا:(گانا)گویے نے ایسی تان اڑائی کہ حاضرِین محفل اَش اَش کر اٹھے۔

ٹانکے ادھیڑنا:(تکلیف دینا)ذکیہ کو چاہیے تھا کہ مجھ سے ہمدردی کے دو بول بولتی، مگر اس نے تو طنزیہ باتوں سے دل کے ٹانکے ادھیڑ کر رکھ دیے۔

ٹوٹ کر برسنا: (کھل کر برسنا)بہت دنوں بعد بادل ٹوٹ کر برسے اور موسم خوشگوار ہو گیا۔

ٹس سے مس نہ ہونا:(اپنی جگہ سے نہ ہلنا)بچے استاد کی آواز سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ٹکا سا جواب دینا:(صاف جواب دینا / انکار کرنا)وہ دوست ہی کیا جو مشکل وقت میں ٹکا سا جواب دے دے۔

ٹکٹکی باندھنا:(مسلسل دیکھنا)سب لوگ ٹکٹکی باندھے فلم دیکھنے میں مصروف تھے۔

ٹھوکریں کھانا:(سختیاں جھیلنا) محنت سے جی چرانے والے بہت ٹھوکریں کھایا کرتے ہیں۔

ٹسوے بہانا:(جھوٹ موٹ رونا)چالاک بیوی نے ٹسوے بہا بہا کر شوہر سے ہر بات منوا لی۔

ٹھنڈی سانس بھرنا: (آہیں بھرنا)اپنی ناکامی پر صفدر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

جِلا دینا:(چمکانا ، روشن کرنا)اچھی تعلیم و تربیت ہی انسان کی صلاحیت کو جِلا دیتی (بخشتی) ہیں۔

جوتیوں میں دال بٹنا:(آپس میں پھوٹ پڑنا)باپ کی وفات کے بعد سگے بھائیوں کے درمیان جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے۔

جوتیاں چٹخانا:(مارے مارے پھرنا)اعلیٰ ملازمت حاصل کرنے کے شوق میں وہ کئی سال سے جوتیاں چٹخاتا پھر رہا ہے۔

جوہر دکھانا:(کمال دکھانا ، خوبی ظاہر کرنا) بازی گر نے اپنی مہارت کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔

جوہر کھلنا:(خوبیاں ظاہر ہونا)چھوٹی سی عمر میں ہی محمد بن قاسم کے جوہر کھلنا شروع ہو گئے تھے۔

جی چھوڑنا، جی چھوٹنا:(ہمت ہار دینا)سیاچن جیسے دشوار ترین جنگی محاذ پر بڑے بڑے بہادر جی چھوڑ دیتے ہیں لیکن ہماری فوج بڑی بہادری سے اس علاقے کی حفاظت کر رہی ہے۔

جھانسے میں آنا:(دھوکے میں آنا)یورپ جانے کے لالچ میں جہانگیر کسی شخص کے جھانسے میں آکر اپنے غریب باپ کی عمر بھر کی جمع پونجی گنوا بیٹھا۔

جامے سے باہر ہونا:(حد سے گزرنا)خرچ کے معاملے میں جامے سے باہر نہیں ہونا چاہیے ورنہ پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

جان پر بننا:(مصیبت آنا)جب سعد کو استاد نے نامکمل کام مکمل کرنے کو کہا تو اس کی جان پر بن آئی۔

جان پر کھیلنا:(بہادری کا کام)اس نے جان پر کھیل کر معصوم بچے کو آگ سے نکالا۔

جان جوکھوں میں ڈالنا:(زندگی خطرے میں ڈالنا)ایک بہادر فوجی جان جوکھوں میں ڈال کر وطن کی حفاظت کرتا ہے۔

جان کے لالے پڑنا (جینے کی امید نہ رہنا)جب شدید برف باری کے موسم میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تو غریب خاندان کو جان کے لالے پڑ گئے۔

جان میں جان آنا:(کمزوری دور ہونا) سیڑھیوں سے گرنے کے بعد اپنے بیٹے کو صحیح سلامت دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔

جلتی پر تیل ڈالنا:(لڑائی چمکانا)ابا جان کو احمد پر پہلے ہی غصہ تھا اوپر سے آپا نے شکایت لگا کر جلتی پر تیل ڈال دیا۔

جنگل میں منگل ہونا:(ویرانے میں رونق ہونا)شہر سے باہر نمائش کا انعقاد کر کے آپ نے جنگل میں منگل کر دیا۔

جی بھر جانا:(اکتا جانا) ارادہ تو ان کا کافی دن گھومنے پھرنے کا تھا لیکن دو دن میں ہی ان کا جی بھر گیا۔

جی بھر آنا:(رونا آنا)اپنے دادا کے فوت ہونے کی خبر سن کر میرا جی بھر آیا۔

جی چرانا:(کام سے بچنا)ایک اچھا طالب علم کبھی بھی محنت سے جی نہیں چراتا۔

جان پڑنا:(رونق آ جانا) انضمام کی شاندار بلے بازی کی وجہ سے میچ میں جان پڑ گئی۔

جان بلب ہونا: (موت کے قریب ہونا)طویل سفر میں شدید گرمی اور پیاس نے ہمیں جان بلب کر دیا۔

جگر تھامنا:(حوصلے سے کام لینا)مقرر بولا:" حاضرین اب میری باری ہے، سو جگر تھام کر بیٹھیے"۔

جُل دینا:(فریب دینا)میرے دوست نے مجھے ایسا جل دیا کہ عمر بھر نہ بھلا سکوں گا۔

جھاڑ باندھنا:(سلسلہ دراز کرنا)بہو نے طعنوں کا ایسا جھاڑ باندھا کہ محلے کی عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔

چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا:(بہت شرمندہ ہونا)اتنی بے عزتی کے بعد تو تمھیں چلو بھر پانی میں ڈُوب مرنا چاہیے تھا،لیکن تم کتنی ڈھٹائی سے مسکرا رہے ہو۔

چرکا لگنا:(زخم لگنا، دُکھ پہنچنا)رشتے داروں نے ناروا سلوک سے میرے دل پر چرکا لگایا۔

چار چاند لگانا:(رونق بڑھانا) آپ نے ہماری محفل میں شریک ہو کر اسے چار چاند لگا دیے ہیں۔

چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا: (اپنے وسائل میں زندگی بسر کرنا)فضول خرچیاں کرنے کے بجائے انسان کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہییں۔

چراغ گل ہونا:(خاتمہ ہونا)کل شام چار بجے میرے چچا کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔

چھٹی کا دودھ یاد آنا:(ہوش ٹھکانے آنا)کام نہ کرنے پر استاد نے بچوں ایسی ڈانٹ پلائی کہ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

چھکے چھوٹ جانا:(گھبرا جانا) پولیس کو موقع واردات پر دیکھ کر چور کے چھکے چھوٹ گئے۔

چکما دینا:(فریب دینا)فہیم اتنا تیز طرازرہے کہ ہر کسی کو چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔

چشم پوشی کرنا:(دوسروں کے عیب چھپانا)بچوں کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنے کے بجائے ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔

چرچا ہونا (مشہور ہونا)آج بھی ہر طرف اقبالؒ کی شاعری کا چرچا ہو رہا ہے۔

چہرہ اترنا: (غمگین ہونا) کرکٹ میچ میں پاکستان کے ہارنے کی خبر سن کر ہر کسی کا چہرہ اتر گیا۔

چاند پر تھوکنا:(نیک آدمی کو بدنام کرنا)کریم جیسے ایمان دار ملازم پر بے ایمانی کا الزام لگانا گویا چاند پر تھوکنا ہے۔

چلتی گاڑی میں روڑے اٹکانا:(کام میں رکاوٹ پیدا کرنا)انجینئر صاحب غیر ضروری قسم کے اعتراضات کر کے چلتی گاڑی میں روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چوکڑیاں بھرنا:(اچھلنا کودنا)شکاریوں کو دیکھ کر ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے جنگل میں غائب ہو گئے۔

چوکڑی بھول جانا:(داؤ پیچ اور ہوشیاری بھول جانا) وکیل کے مسلسل سوال کرنے پر ملزم چوکڑی بھول گیا۔

چھاتی پر پتھر رکھنا:(غم برداشت کرنا)غریب انسان کی زندگی میں ایسے ہزاروں مقامات آتے ہیں جب اسے اپنی چھاتی پر پتھر رکھنا پڑتا ہے۔

چھاتی پر سانپ لوٹنا:(حسد ہونا ، دکھ ہونا)میری کامیابی کا سن کر تمھاری چھاتی پر سانپ کیوں لوٹ رہے ہیں؟

چھاتی پر مونگ دلنا:(کسی کو تکلیف دینا)بھارتی فوج پچھلے ساٹھ سال سے کشمیریوں کی چھاتی پر مونگ دل رہی ہے۔

چیں بہ جبین ہونا:(برہم ہونا ، ناراض ہونا) مسلسل بمباری کے بعد بھی اسامہ بن لادن کے زندہ بچ جانے کی خبر سن کر امریکی چیں بہ جبیں ہوگئے۔

چھپا رستم ہونا:(باکمال آدمی جو دیکھنے میں معمولی نظر آئے)علی کے کھیل نے سب کو حیران کر دیا، وہ تو چھپا رستم نکلا۔

چراغِ سحری ہونا:(مرنے کے قریب ہونا)بوڑھا مالی تو اب چراغِ سحری ہے، ہمیں اس کے گھر والوں کو اطلاع دے دینی چاہیے۔

چاٹ لگنا:(عادت پڑنا) جن لوگوں کو خوشامد کی چاٹ لگ جاتی ہے ان سے ہوشیار آدمی ہر کام نکلوا سکتا ہے۔

چراغ ٹھنڈا کرنا:(دیا بجھا دینا) صبح ہونے والی ہے چراغ ٹھنڈا کر دو۔

چلن بھول جانا: (طریقہ چھوڑ دینا)اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے ان بزرگوں کے چلن بھلا بیٹھے ہیں، جنہوں نے ساری دنیا پر حکومت کی۔

چل بسنا: (مر جانا)بہترین علاج ہونے کے باوجود وہ بچ نہ سکا اور کل رات چل بسا۔

چمپت ہو جانا:(غائب ہو جانا)مالک مکان کو کرایہ لینے کے لیے آتا دیکھ کر کرایہ دار چمپت ہو گیا۔

چنگاری ڈالنا:(جھگڑا پیدا کرنا)حاسد دوست کی باتوں نے دونوں دوستوں کے درمیان چنگاری ڈالنے کا کام کیا اور وہ الجھ پڑے۔

ارمان نکالنا:(ارمان پورے کرنا)اکلوتے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرکے ماں باپ نے خوب ارمان نکالے۔

حشر برپا ہونا:(کہرام مچنا)نمازیوں پر فائرنگ کا سن کر علاقے میں حشر برپا ہو گیا۔

حسرت برسنا:(افسردگی چھا جانا) قائداعظمؒ کی وفات کا اعلان ہوتے ہی ملک میں ہر طرف حسرت برسنے لگی۔

حسرت نکلنا:(آرزو پوری ہونا) دشمن کو سامنے دیکھ کر بہادر سپاہی نے خوب حسرت نکالی اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حواس باختہ ہونا:(ہوش گم ہو جانا) پرچے میں چند مشکل سوالات دیکھ کر فرہاد حواس باختہ ہو گیا۔

حجامت بنانا:(پٹائی کرنا) ماسٹر صاحب نے کام نہ کرنے پر بچوں کی خوب حجامت بنائی۔

حاشیہ چڑھانا:(بات کو آگے بڑھانا) زیادہ حاشیہ چڑھانے کی ضرورت نہیں اس بات کو یہیں پر ختم کر دو۔

حرف آنا: (بدنامی ہونا) انسان کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے خاندان کی عزت پر حرف آئے۔

حشر اٹھنا:(شور اٹھنا) صدر کے اسمبلی ہال میں داخل ہوتے ہی وہ حشر اٹھا کہ الاماں۔

خدا سے لو لگانا:(خدا کی طرف دھیان لگانا) تاجر کی بیوی نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا:"اب اس بڑھاپے میں روپیہ کمانے کا لالچ چھوڑو اور خدا سے لو لگاؤ"۔

خواب خرگوش میں پڑے رہنا:(غفلت کی نیند سونا)برصغیر کے مسلمان خوابِ خرگوش میں پڑے تھے مگر علامہ اقبالؒ اپنی شاعری کے ذریعے انہیں عقل و ہوش کی دنیا میں واپس لائے۔

خون کا پیاسا:(سخت دشمن ، جانی دشمن)میں نے عدالت میں شیر خان جیسے بدمعاش کے خلاف گواہی دی تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔

خاطر میں نہ لانا:(کسی کی پروا نہ کرنا) دولت نے سلیم کو اتنا مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

خاک چھاننا:(تلاش کرنا)ماں باپ گمشدہ بچے کی تلاش میں جگہ جگہ خاک چھانتے رہے۔

خدا لگتی کہنا:(سچ بولنا) کسی کو اچھا لگے یا برا میں تو ہمیشہ خدا لگتی ہی کہوں گی۔

خون سفید ہونا:(محبت ختم ہونا)دولت کی چکا چوند نے سگے بھائی کا خون سفید کر دیا ہے۔

خون خشک ہونا:(خوفزدہ ہونا)باپ کی گرجدار آواز سن کر بچوں کا خون خشک ہو گیا۔

خیالی پلاؤ پکانا: (ایسی باتیں سوچنا جن کا کوئی وجود نہ ہو)۔نکمے اور کاہل کچھ کرنے کے بجائے خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔

خون پسینہ ایک کرنا:(بہت محنت کرنا)احمد نے خون پسینہ ایک کر کے دولت کمائی ہے۔

خمیازہ بھگتنا:(سزا پانا)اپنی کی ہوئی غلطیوں کا خمیازہ ہر انسان کو لازمی بھگتنا پڑتا ہے۔

خاک میں ملنا:(تباہ و برباد ہونا)بیٹے کی غلط حرکتوں کی وجہ سے ماں باپ کی عزت خاک میں مل گئی ہے۔

خالہ جی کا گھر ہونا:(بہت آسان کام)مقابلے کے امتحان میں کامیابی خالہ جی کا گھر نہیں اس کے لیے بہت محنت درکار ہوتی ہے۔

خون پانی ایک کرنا:(بہت محنت کرنا)احمد نے یہ ساری دولت خون پانی ایک کر کے کمائی ہے۔

خیر باد کہنا:(چھوڑ دینا)نا مساعد حالات کی وجہ سے ہمیں لاہور کو خیر باد کہ کر اسلام آباد منتقل ہونا پڑا۔

خاک اڑنا:(تباہی آنا)امریکی حملے کے بعد علاقے میں ہر طرف خاک اڑ رہی تھی۔

خدا پر چھوڑنا:(اللہ پر بھروسا کرنا)انسان کو اپنی سی ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد ہی معاملہ خدا پر چھوڑنا چاہیے۔

خضر ملنا:(مراد پوری ہونا ، رہنما مل جانا) ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے محمد علی جناح کی صورت میں خضر مل گئے۔

خوابیدہ فتنے جگانا:(دبی ہوئی بات کو پھر اٹھانا) کریم خان کے جیل سے نکلتے ہی خوابیدہ فتنے پھر جاگ اٹھیں گے۔

دستِ نگر ہونا:(محتاج ہونا) ہمیشہ یہی دعا کرنی چاہیے کہ ہم کبھی کسی کے دستِ نگر نہ ہوں۔

دست و گریباں ہونا:(لڑنا جھگڑنا) صرف پانچ سوروپے کی کمی بیشی کے باعث دکان دار اور گاہک آپس میں دست و گریباں ہو گئے۔

دن جانا:(وقت گزرنا) وہ دن گئے جب آپ اپنی من مانی کرتے تھے۔

دَم مارنے کی بات نہ ہونا:(عذر کرنے کی گنجائش نہ ہونا) فرعون کے سامنے رعایا کی دم مارنے کی بات نہ تھی۔

دھوپ میں بات سفید کرنا:(بوڑھے ہو کر بھی نا تجر بہ کار رہنا) تم جیسے مجرموں کو سیدھا کرنا مجھے اچھی طرح آتا ہے، میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے۔

دانت پیسنا:(بہت غصے میں آنا) چھوٹے بھائی کے منھ سے گالیاں سن کر اسلم دانت پیسنے لگا۔

دال نہ گلنا:(کام نہ ہونا)ایک نوکری کے لیے امیدواروں کی لمبی لائن دیکھ کر احمد نے سوچا یہاں میری دال نہیں گلے گی۔

دال میں کالا ہونا:(کوئی شک والی بات ہونا) حسن کی مشکوک حرکتوں نے واضح کر دیا ہے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

دانت کھٹے کرنا :(شکست دینا) کارگل کے محاذ پر ہمارے سر فروشوں نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔

دریا کو کوزے میں بند کرنا: (کسی مضمون کو مختصرا قلمبند کرنا) علی نے کمپیوٹر جیسی چیز پر جامع مضمون لکھ کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔

دانہ پانی اٹھ جانا:(رزق ختم ہونا/ موت کا وقت آنا)جب انسان کا اس دنیا سے دانہ پانی ہی اٹھ جائے تو دوا دارو کا کیا فائدہ۔

دل دکھانا:(دکھ دینا)اگر میری باتوں نے آپ کا دل دکھایا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔

دل میں گھر کرنا:(پسند آنا)ندیم نے اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ہر کسی کے دل میں گھر کر لیا۔

دم توڑنا:(مرنا) شدید حادثے میں بہت سے مریض موقع پر ہی دم توڑ گئے۔

دم بھرنا:(تعریف کرنا / محبت کرنا) ندیم کے اچھے اخلاق کی وجہ سے ہر ایک اس کی محبت کا دم بھرتا ہے۔

دم بخود رہ جانا: (حیران رہ جانا)مداری کے کرتب دیکھ کر سب لوگ دم بخود رہ گئے۔

دوچار ہونا:(آمنا سامنا ہونا)اکثر اوقات انسان بڑی عجیب صورتحال سے دوچار ہو جاتا ہے۔

دھجیاں اڑانا:(ٹکڑے ٹکڑے کر دینا)بھارت کشمیریوں پر ظلم و ستم ڈھا کر انسانی حقوق کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔

دم دبا کر بھاگنا:(دوڑ جانا)دھماکے کی آواز سن کر لوگ دم دبا کر بھاگ گئے۔

دوڑ دھوپ کرنا:(جدوجہد کرنا)عاقل نے نوکری حاصل کرنے کے لیے بہت جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

دامن بچانا:(برائی سے بچنا)دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو برائیوں سے دامن بچاتے ہیں۔

دل بجھنا:(اداس ہونا)امتحان میں ناکامی کی خبر سن کر حارث کا دل بجھ سا گیا۔

دل بھر آنا:(غمگین ہونا)بوڑھے آدمی کی غمزدہ داستان سن کر میرا دل بھر آیا۔

دل ہارنا:(ہمت ہار دینا)کھلاڑی اگر دل ہار دے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

دانت کاٹی روٹی کھانا:(آپس میں بڑی محبت ہونا)نجانے اس خاندان کو کس کی نظر لگ گئی ہے، کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ سب دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔

دل بلیوں اچھلنا:(دل بے قرار ہونا)جس روز میرا امتحانی نتیجہ آنے والا تھا، میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

دھاڑیں مار مار رونا:(زور زور سے رونا)بیگار کیمپ میں معصوم بچوں کی حالت دیکھ کر صحافی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

دھاک بیٹھنا:(رُعب پڑنا)۔صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبیؒ کی مسلسل فتوحات کے باعث عیسائیوں پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

دامن پکڑنا:(سہارا لینا)غریب آدمی مشکل میں کس کا دامن پکڑے! کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔

دامن بچانا:(عزت بچانا)اس دنیا کی برائیوں سے دامن بچا کر نکلنے میں ہی انسان کی کامیابی ہے۔

دامن تھام لینا: (سہارا لینا)مصیبت کے موقع پر صرف اللہ تعالیٰ ہی کا دامن تھامنا چاہیے۔

دامن چھڑانا:(بچنا ، جان چھڑانا)سوچتا ہوں کہ قرض کے اس بوجھ سے کس طرح دامن چھڑاؤں؟۔

دردِ سر ہونا:(مصیبت ہونا)تمہارا رویہ دفتر کے تمام ملازمین کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے۔

دل بجھنا:(اُداس ہونا)ملک کے حالات دیکھ کر ہر محبِ وطن پاکستانی کا دل بجھ کر رہ گیا ہے۔

دل پر گزرنا:(صدمہ ہونا) لوگوں کے منافقانہ رویے سے جو دل پر گزرتی ہے وہ نا قابلِ بیان ہے۔

دل میں چٹکی لینا:(بے قرار ہونا یا کرنا)بچپن کی حسین یادیں اکثر دل میں چٹکی لیتی رہتی ہیں۔

دو بدو ہونا: (مقابل ہونا ، آمنا سامنا ہونا)دونوں پہلوان جیسے ہی دوبدو ہوئے حاضرین نے انھیں اشتعال دلانا شروع کر دیا۔

ڈنکا بجنا:(شہرت ہونا)باکسنگ میں آج بھی محمد علی کلے کا ڈنکا بجتا ہے۔

ڈنکے کی چوٹ پر کہنا:(کھلے عام کہنا)میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہنے کو تیار ہوں کہ حسن میرا بہترین دوست ہے۔

ڈورے ڈالنا:(اپنی طرف راغب کرنا) بچوں نے اچھے نمبر لینے کے لیے استاد پر خوب ڈورے ڈالے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

ڈینگیں مارنا:(شیخی مارنا) ڈینگیں مارنا وقار کی پرانی عادت ہے اس لیے اس کی اصلیت سے ہر ایک واقف ہے۔

ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا:(سب سے الگ رہنا)خالد ہر معاملے میں اختلاف کے باعث اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائے کھڑا نظر آتا ہے۔

ڈنڈے بجانا:(آوارہ پھرنا) یوں سڑکوں پر ڈنڈے بجاتے پھروں گے تو پڑھو لکھو گے کب؟۔

ڈھول کا پول کھلنا:(اصلیت ظاہر ہونا)شیر کی دھاڑ سنتے ہی علی کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور اس کی بہادری کے ڈھول کا پول کھل گیا۔

رام کرنا:(قابو کرنا ، مطیع کرنا)چھوٹے بچوں کو سختی سے نہیں بلکہ پیار اور محبت سے رام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

راس آنا: (موافق آنا)خدا کرے ہمیں لاہور راس آ جائے اور یہاں ہمارا کاروبار چل نکلے۔

رفو چکر ہونا:(بھاگ جانا)چور چوری کر کے ایسے رفو چکر ہوئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

رائی کا پہاڑ بنانا:(معمولی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا)سعدیہ جیسی چالاک عورت رائی کا پہاڑ بنانا خوب جانتی ہے۔

رسی دراز ہونا:(بہت زیادہ چھوٹ ملنا)اللہ نے ظالم کی رسی دراز تو کی ہے مگر اسے ایک ہی دفعہ کھینچے گا۔

رنگ فق ہونا:(رنگ اڑنا)جب ندا کی چوری پکڑی گئی تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔

رنگ لانا:(اثر دکھانا) مجھے یقین ہے میری محنت جلد رنگ لائے گی اور کامیابی میرا مقدر ہو گی۔

رنگ رلیاں منانا:(عیش کرنا) جو قوم رنگ رلیاں منانے میں لگی رہتی ہے جلد ہی تنزل کا شکار ہو جاتی ہے۔

رقت طاری ہونا:(رونا)اپنے دوست کی وفات کا سن کر علی پر رقت طاری ہو گئی۔

رونگٹے کھڑے ہونا:(خوفزدہ ہونا)فٹ پاتھ پر لاوارث مشکوک سامان دیکھ لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

سامان

رنگ میں بھنگ ڈالنا:(کام خراب کرنا)تقریب بڑی شاندار تھی لیکن بجلی کے بار بار تعطل نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔

رائی کا پربت بنانا:(معمولی بات کو بڑھا چڑھا کر بتانا)جو لوگ رائی کا پربت بنانے کے عادی ہوں، ان سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔

ریوڑی کے پھیر میں آنا :(لالچ کرنا)بعض اوقات شریف اور سمجھ دار لوگ بھی ریوڑی کے پھیر میں آ جاتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

رُواں رُواں دعا دینا:(بے حد ممنون ہونا)مالی نے صاحب سے کہا:" آپ بے حد مشکل وقت میں میرے کام آئے، آپ کو تو میرا رواں رواں دعا دیتا ہے"۔

رنگ اڑانا:(ڈر جانا ، خوف زدہ ہونا)انسپکٹر کی زبانی بیٹے کے کرتوت سن کر باپ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

راہ لینا:(چل دینا)علی نے نواز کو بے نقط سنا کر کار سے اتارا اور اپنی راہ لی۔

زارو قطار رونا:(بہت رونا)ڈائریکٹر نے ہیروئین بننے کی شوقین اداکارہ کو اپنے ڈرامے میں لینے سے انکار کیا تو وہ زارو قطار رونے لگی۔

زبان زدِعام ہونا:(مشہور ہونا)حکمرانوں کی بد عنوانی اور لوٹ کھسوٹ کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں۔

زخم ہرا ہونا:(غم تازہ ہونا)ہر سال 14 اگست کو اپنے عزیزوں سے بچھڑنے کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔

زخموں پر نمک چھڑکنا:(مزید تکلیف دینا)اچھا دوست زخموں پر نمک چھڑکنے کی بجائے اپنے دوست کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔

زمین آسمان کے قلابے ملانا:(حد سے زیادہ تعریف کرنا) خوشامدی حضرات کسی کی تعریف کرتے ہوئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔

زندہ در گور ہونا:(بہت دکھ اٹھانا)جوان بیٹے کی موت کی خبر سن کر ماں باپ زندہ در گور ہو گئے۔

زمین میں گڑ جانا:(شرمندہ ہونا)ایسی ذلیل حرکت کی وجہ سے تمھیں زمین میں گڑ جانا چاہیے۔

زہر کے گھونٹ پینا:(بہت زیادہ صبر کا مظاہرہ کرنا)جب مہمانوں کے ساتھ آئے بچوں نے قیمتی برتن توڑے تو میزبان زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

زک اٹھانا:(شرمندہ ہونا)افغانستان میں شدید مزاحمت کی وجہ سے امریکیوں کو جگہ جگہ زک اٹھانا پڑی۔

زہر اگلنا:(کسی کے خلاف بولنا)امریکی زرائع ابلاغ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں۔

زبان درازی کرنا:(بد زبانی کرنا)بچے اگر بڑوں سے بد زبانی کریں تو انھیں سمجھانا بہت ضروری ہے۔

زمین پر پاؤں نہ دھرنا: (مغرور ہونا ، غرور کرنا)کیمرج یونیورسٹی سے ڈگری لینے کے بعد تو وہ زمین پر پاؤں نہیں دھرتی۔

زبان پکڑنا :(بات کرنے سے روکنا ، بات کاٹنا)لوگوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہی ان کی تو عادت ہی باتیں بناناہے۔

زخم بھرنا:(صدمہ کم ہونا)وقت ایک ایسا مرہم جس سے ہر زخم بھر جاتا ہے۔

زندگی وبال ہونا:(سخت مصیبت یا عذاب میں ہونا) مہنگائی کے ہاتھوں غریبوں کی زندگی وبال ہو چکی ہے۔

سارے جہاں کا چھٹا ہونا:(نہایت خرانٹ اور بدمعاش)حیرت کی بات ہے، سارے جہاں کا چھٹا ہوا یہ شخص الیکشن میں کیسے حصہ لے سکتا ہے!۔

سبکدوش ہونا:(فارغ ہونا)بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوتے ہی علی صاحب حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

سابقہ پڑنا:(تعلق ہونا)خدا نہ کرے کہ علی جیسے احمق شخص سے کسی کا سابقہ پڑے۔

سانپ سونگھ جانا:(خاموشی چھا جانا)جیسے ہی پرنسپل صاحب اسمبلی میں آئے ایسے خاموشی چھاگئی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

سبز باغ دکھانا:(فریب دینا)دھوکہ بازوں نے سبز باغ دکھا کر تاجر سے اس کا سامان چھین لیا۔

ستارا گردش میں ہونا: (حالات خراب ہونا)آج کل علی کا ستارا گردش میں ہے اسی لیے اسے ہر کام میں نقصان ہو رہا ہے۔

سر آنکھوں پر بٹھانا:(بہت عزت کرنا)پنجاب کے لوگ اپنے مہمانوں کو سے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

سر پر چڑھانا:(بے ادب ہونا)ماں باپ کے لاڈ پیار نے علی کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔

سر قلم کرنا:(سر کاٹنا ، موت کی سزا دینا)جلاد نے باغیوں کے سر قلم کر دیے۔

سر اٹھانا:(سر اونچا کرنا ، شور کرنا)ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیاں سر اٹھا رہی ہیں۔

سر دھننا: (مزے سے جھومنا)فارغ وقت میں موسیقی پر سر دھننا ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔

سناٹا چھانا:(مکمل خاموشی ہونا)پرنسپل صاحب کی گرجدار آواز کے ساتھ ہی پورے سکول میں سناٹا چھا گیا۔

سورج کو چراغ دکھانا:(کسی مشہور شخصیت کی تعریف کرنا)اقبال کی شاعری کے متعلق کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

سیخ پا ہونا:(غصے میں آنا)زرا سی تنقید سن کر علی سیخ پا ہو گیا۔

سینگ سمانا: (جگہ ملنا)کمرا بہت چھوٹا اس لیے جہاں جس کے سینگ سمائے چپ چاپ بیٹھ جائے۔

ساز باز کرنا:(سازش کرنا)بھارت اسرائیل کے ساتھ مل کر پاکستان کے خلاف ساز باز کرتا رہتا ہے۔

سر بکف ہونا:(جان دینے پر آمادہ ہونا)ہماری فوجیں سر بکف ہو کر دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

سر دینے کو ہونا:(مرنے کو تیار ہونا)پاکستان ہمارا ملک ہے اس کی حفاظت کی خاطر ہم سر دینے کو حاضر ہیں۔

سر دھڑ کی بازی لگانا:(جان کی بازی لگانا)بھارت کے خلاف میچ جیتنے کے لیے ہمارے کھلاڑی سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔

سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا:(فوراً بھاگ کھڑے ہونا)گھر والوں کے جاگنے اور باتوں کی آواز سن کر چور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

سرخ رو ہونا:(کامیاب ہونا)خدا کے ہاں وہی سرخ رو ہوں گے جو متقی اور پرہیز گار ہوں گے۔

سر سے پانی کا گزرنا:(مصیبت کا حد سے بڑھ جانا)عرفان کو اپنی غلطیوں کا احساس تب ہوا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

سر سہرا ہونا:(کامیابی کا باعث ہونا)ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا سہرا پاکستان کے عظیم سائنس دانوں کی پوری ٹیم کے سر ہے۔

سر ہونا:(پیچھے پڑنا)بینک سے قرضہ حاصل کرنے کے لیے وہ مینجر کے سر ہو گیا تھا۔

سرخاب کے پر لگنا:(کسی چیز میں کوئی اہم خوبی ہونا)یہ جوڑا اتنا مہنگا کیوں ہے، کیا اس میں سرخاب کے پر لگے ہیں؟۔

سماں باندھنا: (رنگ جمانا)نصرت فتح علی خان کی قوالی نے ایسا سماں باندھا کہ کوئی بھی جانے کو تیار نہ تھا۔

سیدھے منہ بات نہ کرنا:(بے رخی برتنا)اپنی بد مزاجی اور متکبرانہ روش کے باعث وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔

سینہ سپر ہونا:(ڈٹ جانا)طارق بن زیاد کی فوج تمام کشتیاں جلانے کے بعد دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گئی، اور بالآخر اسے شکست دی۔

سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا:(بڑا ہو کر بھی چھوٹی باتیں کرنا) آپ اپنی عمر اور عہدے کا ہی کچھ لحاظ کر لیں،یوں سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

سر پر کفن باندھنا:(جان دینے کے لیے تیار ہونا) آج کل ہر عراقی سر پر کفن باندھے ہوئے ہے انھیں آزادی حاصل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

سر میں سودا سمانا:(خیال مضبوط ہونا) آج کل علی کے سر میں کرکٹ کا سودا سمایا ہوا ہے۔

سیدھا کرنا:(درست کرنا) ہماری پولیس بڑے بڑے مجرموں کو سیدھا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

شادی مرگ ہونا:(خوشی سے مرنے کے قریب ہونا) اپنے بیٹے کو تندرست ہوتا دیکھ کر بوڑھی ماں پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

شامت آنا:(برے دن آنا) جب کسی انسان کی شامت آتی ہے تو وہ الٹے سیدھے کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

شیرازہ بکھرنا: (اتحاد ختم ہونا) فرقہ بندیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔

شیر و شکر ہونا:(مل جل کر رہنا) ہمیں اپنے وطن میں شیر و شکر ہو کر رہنا چاہیے۔

شیشے میں اتارنا:(دھوکا دینا) مکار شخص نے سادہ لوح دیہاتی کو شیشے میں اتار کر ساری رقم چھین لی۔

شب خون مارنا:(رات کو حملہ کرنا)بہادر فوجیوں نے ایسا شب خون مارا کہ دشمن کی کمر ہی توڑ دی۔

شگوفہ چھوڑنا:(کوئی فتنہ انگیز بات کرنا) علی ہر روز ایک نیا شگوفہ چھوڑتا ہے اس لیےاس کی باتوں پر اعتبار نہیں کیاجاتا ۔

شیخی کر کری ہونا:(غرور ختم ہونا)ابا جان سے ایسی ڈانٹ پڑی کہ بچوں کی ساری شیخی کر کری ہو گئی۔

شیطان کی آنت ہونا: (بہت لمبا ہونا)یہ کہانی تو شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی جا رہی ہے۔

شش و پنج میں پڑنا:(الجھن میں پڑنا)اجنبی عورت کی باتیں سن کر شش و پنج میں پڑ گئی کہ اسے سچ مانوں یا جھوٹ۔

شرم رہ جانا:(عزت بچ جانا)خدا کا شکر ہے کہ عین موقع پر رقم کی ادائیگی کا بندوبست ہونےسے ہم سب کی شرم رہ گئی۔

شعلہ زن ہونا:(روشن ہونا) ہر پاکستانی کے دل میں اپنے وطن سے محبت کا جذبہ شعلہ زن ہے۔

شیشہ دل چور چور ہونا:(دل کو تکلیف پہنچنا)لے پالک بیٹے کی بے حسی اور احسان فراموشی دیکھ کر بوڑھے میاں بیوی کا شیشہ دل چور چور ہو گیا۔

شہ دینا:(اکسانا)بچہ اگر بد تمیزی کرے تو اسے شہ دینے کے بجائے مناسب طریقے سے سمجھانا اس کی تربیت کا حصہ ہے۔

شیخی بگھارنا:(ڈینگیں مارنا)بٹ صاحب شیخی بگھارنے میں ہی ماہر تھےاور کرتے کراتے کچھ نہ تھے۔

شیر بکری کا ایک گھاٹ سے پانی پینا:(انصاف کا دور دورہ ہونا)حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شیر بکری کا ایک گھاٹ سے پانی پینامشہور ہے۔

صاحب فراش ہونا:(بیمار ہونا)جلیل صاحب جو ایک عرصے سے صاحب فراش تھے ،کل رات چل بسے۔

صبر کا پیانہ لبریز ہونا:(برداشت ختم ہونا)علی کی الٹی سیدھی باتوں سے چچا جان کے صبر کا پیانہ لبریز ہو گیا۔

صلواتیں سنانا:(گالیاں دینا ، برا بھلا کہنا) جب بچوں نے بوڑھی عورت کو تنگ کیا تو وہ انھیں صلواتیں سنانے لگی۔

صاحب سلامت ہونا :(جان پہچان ہونا)میری ان سے صاحب سلامت تک نہیں اور وہ مجھ سے اتنی بڑی رقم قرض مانگ رہے ہیں۔

صبر لینا:(بددعا لینا) مظلوموں کا صبر لینے سے ڈرنا چاہیے۔

ضرب المثل ہونا:(کہاوت کی طرح مشہور ہونا)قائداعظم کی ایمانداری تو ضرب المثل ہے۔

ضبط کرنا:(برداشت کرنا)بہادر وہ ہے جو غصہ ضبط کر لے۔

طاق پر رکھنا:(بھول جانا ، نظر انداز کرنا)اس نے تو آداب ہی طاق پر رکھ دیے اور سب مہمانوں کے سامنے میزبان سے بہت بد زبانی کی۔

طرح دینا: (ٹالنا)علی نے حسن سے کہا کہ وہ واپسی پر اسے گھر چھوڑ دے مگر وہ طرح دے کر نکل گیا۔

طوطی بولنا:(شہرت ہونا)کرکٹ کی دنیا میں وسیم اکرم کا طوطی بولتا ہے۔

طشت ازبام ہونا:(سامنے آنا)علی کا راز سب کے سامنے طشت ازبام ہوا تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔

طوطا چشمی کرنا: (مطلب کے تحت ملنا)علی کی طوطا چشمی کا یہ عالم ہے کہ کام نکلنے کے بعد سگے باپ کو بھی نہیں پہچانتا۔

طومار باندھنا: (بہت باتیں کرنا ، جھوٹی بات بڑھا کر بیان کرنا)ماں باپ کے گھر پہنچتے ہی بچوں نے شکایات کا طومار باندھ دیا۔

طوفان کھڑا کرنا:(بہتان لگانا / شورغل کرنا) خرم کی چیزوں کو کوئی ذرا سا بھی چھیڑ دے تو وہ گھر بھر میں طوفان کھڑا کر دیتا ہے۔

طرح ڈالنا:(ابتدا کرنا)ہمیں اپنے ملک کی ترقی کے لیے ایمانداری کی طرح ڈالنی ہو گی۔

طلسم ٹوٹ جانا:(اثر ختم ہونا)جونہی علی کا اصل روپ سامنے آیا اس کی ظاہری شرافت اور آن بان کا طلسم آناً فاناً ٹوٹ گیا۔

طاق ہونا:(ماہر ہونا)مسلسل مشق سے وہ ریاضی میں خوب طاق ہو گئی۔

طبیعت کا غنی ہونا:(سخی ہونا)حاتم طائی طبیعت کا غنی تھا اسی لیے اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔

ظلم ڈھانا:(زیادتی کرنا) اسلام حکم دیتا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم ڈھائے نہ ظلم ہوتے برداشت کرے۔

عذاب مول لینا:(خود مصیبت میں پھنسنا)میں نے علی کی مدد کی ہامی بھر لی تھی لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں عذاب مول لے رہا ہوں۔

عرش پر دماغ ہونا:(بہت مغرور ہونا)معمولی دکان دار سے ایک بڑا تاجر بننے کے بعد ظفر کا دماغ عرش پر ہے۔

عرق ریزی کرنا:(سخت محنت کرنا) کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ یہ کام بہت عرق ریزی کے بعد مکمل ہو گا ۔

عرش پر چڑھانا: (مغرور بنا دینا،بڑی تعریف کرنا)بے جا لاڈ پیار بچوں کو عرش پر چڑھا دیتا ہے۔

عہدہ برآ ہونا:(فرض نبھانا)ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی لیے محنت اور لگن سے کام کرنا چاہیے۔

عید کا چاند ہونا:(بہت کم ملنا / نظر آنا)علی تو عید کا چاند ہی ہو گیا ہے کبھی بھولے سے بھی ہم سے ملاقات کے لیے نہیں آیا۔

عقل دوڑانا:(سمجھ سے کام لینا)ہر سوال کا جواب تفہیم میں موجود ہے مگر تمہیں عقل دوڑانی پڑے گی۔

عقل پر پتھر/پردہ پڑنا (بے سمجھی اور کم عقلی کی بات کرنا)تم نے اپنے والدین کی چھوڑی ہوئی جائیداد اونے پونے داموں بیچ رہے ہو کیا تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں؟

عقل کے گھوڑے دوڑانا:(بہت غور کرنا) قلعے میں داخلے کے لیے سپہ سالار کو عقل کے گھوڑے دوڑانے پڑے تب ہی ایک جامع منصوبہ تیار ہو سکا۔

عقل کے طوطے اڑنا:(گھبرا جانا)امتحانی پرچہ دیکھ کر تقریباً سب ہی امیدواروں کی عقل کے طوطے ہی اڑ گئے۔

عنقا ہونا:(غائب ہونا)خالص اور صاف ستھری چیزیں تو بازار سے عنقا ہی ہو گئی ہیں۔

عقدہ وا ہونا:(مشکل حل ہونا)قرآن پاک اللہ کریم کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جو ہماری زندگی کا ہر عقدہ وا کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔

غم غلط کرنا:(غم بھلانا)لوگ اپنا غم غلط کرنے کے لیے طرح طرح کی مصروفیات تلاش کرتے ہیں۔

غصہ تھوک دینا:(غصہ ختم کرنا)سب لوگوں نے علی کو سمجھایا کہ وہ اپنا غصہ تھوک دے اور اپنے دشمنوں سے صلح کر لے۔

غضب ڈھانا:(ظلم کرنا)عدالت میں جھوٹی گواہی دے کر تم نے خود پر غضب ڈھایا ہے۔

غبار نکالنا:(دل کی بھڑاس نکالنا)چوکی دار، چوروں کو پکڑ تو نہ سکا مگر اس نے اپنا غبار نکالنے کے لئے انہیں خوب بد دعائیں دیں۔

غم خواری کرنا:(ہمدردی کرنا)اگر ہم کسی کی مشکل حل نہ کر سکیں تو کم از کم اس کی غم خواری ہی کر دینی چاہیے۔

غنیمت جاننا:(کافی جاننا)صرف میٹرک کی سند پر ہی اگر تمہیں کوئی بھی ملازمت مل جائے تو غنیمت جانو۔

فروہونا:(دبنا، ختم ہونا) مغل بادشاہ جہانگیر نے اپنی عقل و دانش کے بل بوتے پر ہر بغاوت کو فرو کیا۔

فراٹے بھرنا:(بہت تیز چلنا)ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی مری کی جانب رواں دواں تھی۔

فقرے چست کرنا:(تضحیک کا نشانہ بنانا) فراز کا عجیب و غریب لباس دیکھ کر سب لوگ فقرے چست کرنے لگے۔

فروکش ہونا:(اترنا ، ٹھہرنا)بادشاہ سلامت جیسے ہی محل میں فروکش ہوئے جشن شروع ہوگیا۔

فاتحہ پڑھنا:(کچھ نہ ہو سکنا)اس کہانی کا یہی انجام ہونا تھا، اب اس پر فاتحہ پڑھ لو اور کوئی ڈھنگ کا کام کرنے کی کوشش کرو۔

قافیہ تنگ کرنا:(پریشان کرنا) بیوی نے فرمائشیں کر کے شوہر کا قافیہ تنگ کر دیا۔

قلعی کھل جانا:(راز ظاہر ہو جانا)بہانے بنانے کی ضرورت نہیں تمہاری قلعی کھل چکی ہےلہذا تم اب یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔

قصہ پاک ہونا: (ختم ہونا ، مرجانا)گاڑی کے نیچے آکر مرزا صاحب کی بلی کا قصہ پاک ہوگیا۔

قلم بند کرنا:(لکھنا)۔شاعر نے اپنی سوانح حیات بہت دلچسپ انداز میں قلم بند کی۔

قلم انداز کرنا:(لکھتے ہوئے چھوڑ جانا)سوالات کے جوابات لکھتے ہوئے ضروری ہے کہ غیر متعلقہ تفصیلات کو قلم انداز کر دیا جائے۔

قلم زد کرنا:(قلم پھیر دینا، کسی چیز کو مٹا دینا)۔اس نے اپنے مضمون میں غیر ضروری چیزوں کو قلم زد کر دیا۔

قلم توڑنا:(ایسی نظم یا نثر لکھنا کہ مقابل میں کوئی قلم نہ اٹھا سکے)۔غالب کی شاعری سے خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غزل کے میدان میں انھوں نے قلم توڑ دیا تھا۔

قدم رنجہ فرمانا:(تشریف لانا)آپ سے گذارش ہے کہ کبھی ہمارے غریب خانے پر بھی قدم رنجہ فرمائیں۔

قیامت برپا کرنا:(مصیبت آنا)امریکی حملے نے عراق میں قیامت برپا کر دی۔

قاعدہ کی بات ہونا: (عام بات ہونا ، دستور اور طریقہ قاعدہ) قاعدہ کی بات تو یہ ہے کہ بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

قلم کرنا:(کاٹ دینا)جلاد نے اشارہ پاتے ہی باغی کا سر قلم کر دیا۔

قارورہ ملنا:(خوب میل جول ہونا)دونوں خاندانوں کا قارورہ خوب ملا ہوا ہے، ہر وقت آنا جانا لگا رہتا ہے۔

قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھنا:(مرنے کے قریب ہونا)بوڑھا قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے مگر سیر سپاٹے کا شوق ابھی بھی نہیں گیا۔

قدموں سے لگے پڑے ہونا۔(خادم اور مطیع ہونا)آپ علی صاحب کے بارے میں خواہ کچھ بھی کہیں، ہم تو ان کے قدموں سے لگے پڑے ہیں۔

قابو سے باہر ہونا:(اختیار میں نہ ہونا)وہ جذبات میں آکر قابو سے باہر ہو گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

قسم کھانے کو بھی باقی نہ ہونا:(کچھ بھی باقی نہ رہنا)آج کل کے دور میں تو پاسداری اور لحاظ تو قسم کھانے کو بھی باقی نہیں رہا۔

کام آنا:(لڑائی میں مارا جانا)کارگل کی جنگ میں بے شمار فوجی دشمن سے لڑائی کے دوران کام آئے۔

کام تمام کرنا: (ختم کرنا، مار دینا)ڈاکوؤں نے ڈکیتی کے دوران تمام اہل خانہ کا کام تمام کر دیا۔

کان بھرنا:(کسی کے خلاف بھڑکانا)علی کی الٹی سیدھی باتیں سن کر مجھے محسوس ہوا ضرور کسی نے میرے خلاف اس کے کان بھرے ہیں۔

کان پر جوں تک نہ رینگنا: (کوئی اثر نہ ہونا)استاد نے بچوں کو بہت سمجھایا کہ وہ شور نہ کریں مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

کان پڑی آواز سنائی نہ دینا:(بہت شور ہونا)اسٹاک ایکسچینج میں اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

کان پکڑنا:(قائل ہونا، استاد تسلیم کرنا، توبہ کرنا، عہد کرنا) علی اپنے کام میں اتنا ماہر ہے کہ ہر کوئی اس کے سامنے کان پکڑتا ہے۔

کان کترنا:(مات دینا) آج کل کے بچے تو بڑے بڑوں کے کان کترتے ہیں۔

کان کھڑے ہونا:(ہوشیار ہونا) رات گئے قدموں کی آواز سن کر ثوبیہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

کانوں کا کچا ہونا:(ہر کسی کی بات پر یقین کر لینا) وہ کانوں کا بہت کچا ہے اس لیے اس کی کوئی حتمی رائے نہیں ہوتی۔

کانوں کان خبر نہ ہونا:(کسی کو پتہ نہ چلنا) دشمن نے رات کے اندھیرے میں ایسے حملہ کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

کایا پلٹنا:(قسمت بدلنا) جب سے ناصر کا بڑا بھائی یورپ گیا اس کی تو کایا ہی پلٹ گئی۔

کلیجہ منہ کو آنا:(خوف آنا) معاشرے کے حالات دیکھ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

کلنک کا ٹیکہ لگنا:(رسوا ہونا، عیب لگنا) ڈکیتی کی واردات میں ملوث ہو کر اس نے اپنے خاندان کے نام پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔

کمر باندھنا:(تیار ہونا)سکولوں کی چھٹیاں ہوتے ہی سب نے سیر کے لیے کمر باندھ لی۔

کھوے سے کھوا چھلنا:(بہت رش ہونا)انا کلی بازار میں اتنا رش ہوتا ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔

کتابی کیڑا ہونا:(کتابوں میں گم رہنے والا شخص)کھیل کود سے اسلم کو کیا لینا دینا وہ تو ایک کتابی کیڑا ہے۔

کافور ہونا:(غائب ہونا)یہ دوا بڑی موثر ہے، اس کی ایک خوراک کھاتے ہی آپ کا سارا درد منٹوں میں کافور ہو جائے گا۔

کانوں پر ہاتھ دھرنا:(لاعلمی کا اظہار کرنا)وہ اس واقعہ کا عینی شاہد ہے لیکن جج کے سامنے اس نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

کانٹوں پر گھسیٹنا:(سخت تکلیف دینا،سزادینا،شرمندہ کرنا)جب غریب کسان نے چودھری کے حق میں گواہی دینے سے انکار کر دیاتووہ اسے کانٹوں پر گھسیٹنے لگا۔

میری مدد کابار بارذکر کر کے آپ مجھے کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہیں۔

کتر بیونت کرنا:(کانٹ چھانٹ کرنا)غریب بیوہ نے امیر لوگوں کے دیے ہوئے کپڑوں کی کتر بیونت کر کے اپنے بچوں کے لیے عید کے کپڑے تیار کیے۔

کچی گولیاں کھیلنا:(نا تجربہ کار ہونا)میں نے کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں کہ تمہاری چال میں آ جاؤں۔

کفِ افسوس ملنا:(پچھتانا)تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ برے لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو، اب کفِ افسوس ملنے کا کیا فائدہ؟

کلمہ پڑھنا:(تعریف کرنا)ہندوستان اور برطانیہ کے ہر سیاستدان نے قائداعظم کی با اصول سیاست، دانش مندی اور ذہانت کا کلمہ پڑھا۔

کشتوں کے پشتے لگ جانا:(لاشوں کے ڈھیر لگ جانا)ایسی خون ریز جنگ ہوئی کہ میدان میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

کوڑیوں کے مول بکنا:(بہت سستا بکنا)کچھ سال پہلے یہاں عام چیزیں کوڑیوں کے مول بکتی تھیں مگر اب تو مہنگائی نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔

کہنے کی باتیں ہونا:(صرف زبانی خرچ)حکومت اس مسئلے کا کوئی حل نہیں نکال سکے گی، یہ اجلاس صرف کہنے کی باتیں ہیں۔

کیل کا کھٹکا نہ ہونا:(کوئی خوف نہیں)اسلامی تاریخ میں ایک ایسا شان دار دور بھی گزرا ہے جب عام اور معمولی آدمی کو کیل کا کھٹکا بھی نہ تھا۔

کھلبلی مچنا:(ہل چل مچنا) فائرنگ کی آواز سن کر ہر طرف کھلبلی مچ گئی۔

کاٹھ کا الو ہونا:(بے وقوف آدمی ہونا)دیکھنے میں وہ کاٹھ کا الو لگتا ہے مگر ہے بڑا سیانا۔

کھٹائی میں پڑنا: (معاملے کو التوا میں ڈالنا ، دیر لگانا)رشوت نہ دینے کی وجہ سے متعلقہ محکمے والے میرے پلاٹ کے کیس کو کھٹائی میں ڈال رہے ہیں۔

کلیجا ٹھنڈا ہونا:(تسکین پانا)گمشدہ بچے کو واپس پا کر ماں کا کلیجا ٹھنڈا ہو گیا۔

کاغذ کے گھوڑے دوڑانا:(ہر طرف خط لکھنا)اس نے ہر طرف کاغذ کے گھوڑے دوڑائے مگر کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا۔

کفر ٹوٹنا:(ضد ختم ہونا)خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا اور بہو گھر واپس آنے کو تیار ہوئی۔

گل کھلنا:(فساد کھڑا کرنا، آفت لانا)شوہر بیوی سے مخاطب ہو کر بولا:"بیٹے کی مصروفیات پر نگاہ رکھو، مجھے ڈر ہے کہ یہ کوئی نیا گل نہ کھلا دے"۔

گھی کے چراغ جلانا:(بہت خوشی کا اظہار کرنا) اتنی دعاؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی سے نوازا ہے، اسے تو گھی کے چراغ جلانے چاہئیں۔

گاڑھی چھننا:(خوب دوستی ہونا)شاہد اور نعیم میں اتنی گاڑھی چھنتی ہے کہ ساری رات باتوں میں کٹ جاتی ہے۔

گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا:(اپنی بات سے مکرنا)خالد کی باتوں پر اعتبار کرنا فضول ہے وہ ہمیشہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔

گڑے مردے اکھاڑنا:(پرانی باتیں کرنا) گڑے مردے اکھاڑنے سے بہتر ہے کہ ہم آنے والے وقت کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

گلے کا ہار ہونا:(بہت عزیز ہونا)علی تو اپنے اعلی اخلاق کی وجہ سے سب کے دل کا ہار بنا ہوا ہے۔

گن گانا:(تعریف کرنا)سعادت کی اچھی عادات کی وجہ سے ہر کوئی اس کے گن گاتا ہے۔

گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا: (بہت تجربہ کار ہونا)علی نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا ہے اس کو باتوں سے ٹالنا بہت مشکل ہے۔

گھٹی میں پڑنا:(فطرت میں داخل ہونا)چغلی کھانا تو علی کی گھٹی میں پڑا ہے۔

گھمسان کا رن پڑنا:(شدید لڑائی ہونا) 65ء کی جنگ میں وہ گھمسان کا رن پڑا کہ دشمن کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔

گھوڑے بیچ کر سونا:(بے فکر ہو کر سونا)سخت محنت کے بعد مزدور گھوڑے بیچ کر سو گیا۔

گل چھرّے اڑانا:(عیش و عشرت میں پڑنا)ہمارے ملک میں امیر لوگ گل چھرّے اڑاتے ہیں جب کہ غریب طبقہ ایک وقت کی روٹی کو بھی ترستا ہے۔

گت بنانا:(سزا دینا)ماسٹر صاحب نے کام مکمل نہ کرنے پر بچے کی ایسی گت بنائی کہ اب وہ گھر جاتے ہی ماسٹر صاحب کا کام پہلے مکمل کرتا ہے۔

گھات لگائے بیٹھنا:(موقع کی تلاش میں ہونا)شیر گھات لگائے بیٹھا تھا، جیسے ہی بکریوں کا ریوڑ وہاں سے گزرا، اس نے حملہ کر دیا۔

لگی لپٹی نہ رکھنا:(صاف صاف کہ دینا)میں لگی لپٹی رکھنے کی عادی نہیں ہوں اسی لیے میں اس کیس کی نوعیت آپ کو سچائی سے بتا رہی ہوں۔

لال بجھکڑ ہونا:(بے وقوف آدمی ہونا)چچا چھکن ایک لال بجھکڑ قسم کی شخصیت تھے مگر خود کو بہت عقل مند سمجھتے تھے۔

لیت و لعل کرنا:(ٹال مٹول کرنا)آپ نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اب لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں!۔

لینے کے دینے پڑ جانا:(فائدے کے بجائے نقصان ہونا)ایٹمی دھماکے کر کے بھارت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا:(غربت میں عیش کرنا)مرزا ظاہر دار بیگ، کلیم جیسے رئیس زادوں کی صحبت میں رہ کر لنگوٹی میں پھاگ کھیل رہا تھا۔

لام کاف بکنا:(گالیاں بکنا)ٹریفک سار جنٹ نے جب وزیر کی گاڑی کا چالان کیا ان کا بیٹا لام کاف بکنے لگا۔

لاگ ڈانٹ ہونا:(دشمنی ہونا)معمولی سے تنازع پر دونوں قبیلوں کی آپس میں لاگ ڈانٹ ہو گئی۔

لاج رکھنا:(عزت کا خیال رکھنا)اسد نے امتحانات میں پاس ہو کر اپنے خاندان کی لاج رکھ لی۔

لال پیلا ہونا:(غصہ ہونا)قانون کی خلاف ورزی ہوتی دیکھ کر سپاہی لال پیلا ہو گیا۔

لمبی تان کر سونا:(گہری نیند سونا)امتحانات کے بعد بچے لمبی تان کر سو گئے۔

لکیر کا فقیر ہونا:(ایک ہی راستے پر چلنا)انسان کو لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی عقل کے مطابق سوچنا چاہیے۔

لوہا منوانا:(قابلیت تسلیم کروانا)ہمارے سائنسدان پوری دنیا میں اپنی قابلیت کا لوہا منوا چکے ہیں۔

لوہے کے چنے چبانا:(بہت محنت کرنا)رزق حلال کمانے کے لیے انسان کو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔

لٹیا ڈبونا:(بے عزت ہونا)نالائق بیٹے نے فیل ہو کر اپنے خاندان کی لٹیا ہی ڈبو دی۔

لہو کے گھونٹ پینا:(انتہائی صبر سے کام لینا)ہیڈ ماسٹر نے چوکیدار کو بلا وجہ ڈانٹا تو وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا:(تھوڑا سا کام کر کے زیادہ شہرت چاہنا)اس سارے کام میں اگرچہ ظفر الحق کا زیادہ حصہ نہیں لیکن وہ لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا چاہتا ہے۔

ماتھا رگڑنا:(خوشامد کرنا)غریب لڑکے نے بہت ماتھا رگڑا مگر اسے ملازمت نہ دی گئی۔

منہ میں گھی شکر ہونا: (کہنا صحیح ہونا)پڑوسن سے کمیٹی جلد ملنے کا سن کر ذکیہ بولی؛"ارے بہن، تمہارے منہ میں گھی شکر، اس کمیٹی سے تو میرے بڑے کام سنور جائیں گے"۔

منہ دکھانا مشکل ہونا: (شرمندگی کے باعث سامنا نہ کر پانا) قرض کی رقم وقت پر ادا نہ کر سکنے کے باعث علی اپنے دوست کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔

ماتھا ٹھنکنا:(شک ہونا)ایک آدمی کی مشکوک حرکات دیکھ کر لوگوں کا ماتھاٹھنکا اور انہوں نے پولیس کو اطلاع کر دی۔

مارے مارے پھرنا:(ٹھوکریں کھانا) اعلیٰ تعلیم کے باوجود نوجوان نوکری کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں۔

مٹھی گرم کرنا:(رشوت دینا)ہمارے ملک میں جب تک افسران کی مٹھی گرم نہ کی جائے کوئی کام نہیں ہوتا۔

مکھیاں مارنا:(فارغ بیٹھنا) مکھیاں مارنے سے بہتر ہے کہ انسان کوئی چھوٹاموٹا کام ہی کرے۔

منہ پر ہوائیاں اڑنا:(گھبرا جانا)جب علی کی اصلیت سب کے سامنے آئی اس کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

منہ سے پھول جھڑنا:(خوش گفتار ہونا)معصوم بچے جب اپنی توتلی زبان میں بولتے ہیں تو ایسا لگتا ہے گویا منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

منہ کی کھانا:(ناکام ہونا)بھارت کو ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

منہ میں پانی بھر آنا:(جی للچانا)آئس کریم دیکھ کر علی کے منھ میں پانی بھر آیا۔

منہ لگانا:(تعلق رکھنا) بے مروت لوگوں کو منھ لگانا بیوقوفی کی علامت ہے۔

میدان صاف ہونا:(کوئی روک ٹوک نہ ہونا)ساس کے جانے کے بعد میدان صاف تھا اب بہو ہی سارے گھر پر قابض ہے۔

موم کی ناک ہونا:(اپنی کوئی رائے نہ رکھنا) چھوٹے بچے موم کی ناک ہوتے ہیں انہیں جس طرح چاہے ڈھال لو۔

میٹھی چھری ہونا: (بظاہر دوست حقیقت میں دشمن)امریکہ مسلم ممالک کے لیے میٹھی چھری ہے لہذا ہمیں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہونا پڑے گا۔

ماتھا پیٹنا:(سر پیٹنا،افسوس کرنا)اپنے شوہر کی فضول خرچیوں پر رشیدہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا:(نازک مزاج ہونا)ایک وقت ایسا تھا کہ وہ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیتا تھا مگر اب در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔

ناک رگڑنا:(منت سماجت کرنا)اپنے بے گناہ بیٹے کو پھانسی سے بچانے کے لیے غریب مزدورنے بڑے بڑے افسروں اور ججوں کے سامنے ناک رگڑی مگر بے سود۔

ناک کٹنا:(بدنامی ہونا)فوج کی ملازمت سے بھاگ کر اس نے اپنے خاندان کی ناک کٹوا دی۔

ناطقہ بند کرنا:(دم بند کرنا)کارگل کے محاذ پر ہمارے جوانوں نے دشمن کا ناطقہ بند کر دیا۔

ناک بھوں چڑھانا:(ناراض ہونا)فراز اتنا بد مزاج ہے کہ اچھی سے اچھی بات پر بھی ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیتا ہے۔

ناک میں دم کرنا:(بہت زیادہ تنگ کرنا)چھٹی کے دن بچوں نے شور مچامچا کر گھر والوں کی ناک میں دم کر دیا۔

ناکوں چنے چبوانا:(بہت تنگ کرنا)ہماری کرکٹ ٹیم کسی بھی مخالف ٹیم کو ناکوں چنے چبوانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ناک کا بال ہونا:(بہت عزیز ہونا)اپنی وفاداری کی وجہ سے وہ ملک صاحب کی ناک کا بال بنا ہوا ہے۔

نظروں سے گرنا:(اپنا مقام / عزت کھونا)اپنی بری حرکات کی وجہ سے علی سب کی نظروں میں گر چکا ہے۔

نظر میں جچنا:(اچھا لگنا)آپ کی نئی گاڑی کا رنگ میری نظر میں نہیں جچ رہا۔

نیند حرام کرنا:(سوتے میں تنگ کرنا)بچوں نے رو رو کر سب گھر والوں کی نیند حرام کر دی۔

نو دو گیارہ ہونا:(فرار ہونا)چور چوری کر کے نو دو گیارہ ہو گیا۔

نیست و نابود کرنا:(تباہ و برباد کرنا)ہم قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرے کی برائیوں کو آسانی سے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

نام کو بٹا لگانا:(بدنام کرنا)میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں نے مسلمانوں کے نام کو ایسا بٹا لگایا کہ جس کا مٹنا مشکل ہے۔

نشہ ہرن ہونا:(نشہ دور ہونا)خود کو پولیس کی حراست میں دیکھ کر شرابی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

ننا نوے کے پھیرے میں آنا (دولت جمع کرنے کی فکر کرنا)۔جب سے علی ننا نوے کے پھیرے میں آیا ہے بچوں کی پروا ہے نہ اپنی صحت کی فکر۔

نقشہ بگڑنا:(حالت بدلا جانا)غربت اور بدحالی انسان کا نقشہ ہی بدل دیتی ہے۔

نصیب کی شامت ہونا:(بد قسمتی)یہ پاکستانیوں کی نصیب کی شامت ہے آج تک انہیں کوئی مخلص حکمران نہیں مل سکا۔

وارے نیارے ہونا:(خوب فائدہ ہونا)لاٹری نکلتے ہی ناصر کے تو وارے نیارے ہوگئے۔

واویلا کرنا:(شور مچانا)غریب عورت کی زندگی بھر کی جمع پونجی چوری ہوئی تو وہ واویلا کرنے لگی۔

واہی تباہ ہونا:(بے ہودہ باتیں کرنا)ہوش میں رہ کر بات کرو، کیا واہی تباہی بک رہے ہو؟۔

ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا:(بے کار بیٹھنا، کچھ کام نہ کرنا) یوں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہو گے تو گھر بار کیسے چلے گا؟۔

ہاتھ رنگنا:(نفع کمانا، رشوت لینا، مال بٹورنا) بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے کاخانہ دار خوب ہاتھ رنگ رہے ہیں۔

ہاتھ ملنا:(پچھتانا) نئی کار خریدنے کا یہ سنہری موقع تھا جو تم نے کھو دیا، اب ہاتھ ملنے کا کیا فائدہ۔

ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا،ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا:(نہایت اندھیرا ہونا) سنسان سڑک پر بس خراب ہو گئی تھی اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

ہاں میں ہاں ملانا:(تائید کرنا) آج کل کے دور میں جب تک افسر کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، ترقی نہیں ہو سکتی۔

ہتھیلی پر سرسوں جمانا:(نہایت پھرتی سے کوئی کام کرنا) شادی کے معاملات میں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی بلکہ بہت سوچ بچار سے معاملہ طے پاتا ہے۔

ہاتھ پاؤں پھول جانا:(گھبرا جانا) بم دھماکے کی اطلاع سن کر اعلیٰ حکام کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا:(فارغ رہنا) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

ہاتھ پاؤں مارنا:(کوشش کرنا)اسد نے قرض حاصل کرنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے سود۔

ہاتھ پھیلانا:(بھیک مانگنا)کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی تذلیل ہے۔

ہاتھ بٹانا:(کام میں مدد کرنا) ہمیں گھر کے کام کاج میں ماں باپ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

ہاتھ دھو کر پیچھے پڑنا:(کسی کام کے درپے ہونا،سخت کوشش کرنا)علی میری گاڑی خریدنا چاہتا ہے اور وہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔

ہاتھ دھو بیٹھنا:(محروم ہونا)خطروں سے کھیلنے والے اکثر اوقات اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ہاتھ ملتے رہ جانا:(افسوس کرتے رہ جانا)ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اگر وہ گزر جائے تو انسان ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

ہاتھوں کے طوطے اڑنا:(شدید گھبراہٹ طاری ہونا)جہاز میں بم کی افواہ سن کر پائلٹ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

ہتھیار ڈال دینا:(ہار ماننا)باغیوں نے شدید مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

ہکا بکا رہ جانا:(حیران رہ جانا)چھوٹے سے بچے کی دانشوارانہ گفتگو سن کر سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔

ہنسی اڑانا:(مذاق اڑانا) فاروق کی عجیب و غریب کپڑے دیکھ کر سب نے اس کی خوب ہنسی اڑائی۔

ہن برسنا: (دولت برسنا) کبھی پنجاب کی زمین میں اتنی زرخیزی تھی کہ یہاں ہن برستا تھا۔

جملوں کی تشکیلِ نو

اس سوال میں کل مارکس حاصل کرنے کا طریقہ

اولیول میں پانچ جملے دے کر امیدوار سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ان جملوں کو:۔

ایک فعل (زمانے) سے دوسرے فعل میں تبدیل کرے۔

یا

جملے کو دوبارہ مختلف الفاظ میں اس طرح لکھے کہ جملے کا مفہوم تبدیل نہ ہو، لفاظی بدل جائے۔

یا

جملے کو دوبارہ اس طرح لکھے کہ اس کا مفہوم الٹ ہو جائے۔

ذیل میں تینوں کی ایک ایک مثال دی جاتی ہے۔

(1) جملے کو فعل ماضی (گزرے ہوئے زمانے کے کام) سے فعل مستقبل (آنے والے زمانے کے کام) میں تبدیل کریں:۔

اسلم نے اسکول میں چھ گھنٹے پڑھائی کی۔ جواب: اسلم اسکول میں چھ گھنٹے پڑھائی کرے گا۔

(2) جملے کو دوبارہ اس طرح لکھیں کہ اس کا مفہوم تبدیل نہ ہو۔

عثمان شام تک میدان میں فٹ بال کھیلتا رہا۔ جواب: عثمان فٹ بال کھیلنے میں مگن رہا اور شام ہو گئی۔

(2) جملے کو دوبارہ اس طرح لکھیں کہ اس کا مفہوم تبدیل ہو جائے۔

انسان جس قدر کام میں جی لگائے، اسی قدر اسے کامیابی ملتی ہے۔ جواب: انسان جس قدر کام چوری کرے اسی قدر ناکام ہوتا ہے۔

خبردار: کچھ طلبہ جملے کا مفہوم الٹ کرنے کے لیے متضاد الفاظ کے استعمال کے بجائے جملے میں محض منفی مفہوم پیدا کر دیتے ہیں جیسے:۔

اسلم جلدی اٹھا اور عین وقت پر اسکول پہنچ گیا۔ جواب: اسلم جلدی نہیں اٹھا اور عین وقت پر اسکول نہیں پہنچا۔

دیکھنے میں یہ جواب صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں جملے کو الٹ نہیں کیا گیا بلکہ اس میں منفی مفہوم پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح جملے کی تشکیل کرنے پر ممتحن نمبر نہیں دیتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ جملے میں متضاد الفاظ کے استعمال سے مفہوم الٹ کیا جائے جیسے:۔

اسلم دیر سے جاگا اس لیے اسکول تاخیر سے پہنچا۔

جملہ بندی سے متعلق سوال پانچ نمبر کا ہوتا ہے۔ اس کے امتحان میں پانچ نمبر ہوتے ہیں۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو دوبارہ اس طرح لکھیں کہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔(مئی، جون:2004)

قلی نے آموں کا ٹوکرا اٹھایا۔

مریض نے ڈاکٹر سے ٹیکا لگوایا۔

جلیل خالد کو پڑھاتا ہے۔

دیر ہونے کی وجہ سے صدرِ مملکت کو کار میں لایا گیا۔

وہ کینسر جیسے موذی مرض کی وجہ سے دنیا سے چل بسا۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو دوبارہ اس طرح لکھیں کہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔(اکتوبر، نومبر:2004)

بچے نے قلم توڑ دیا۔

جیب کترے نے شوکت کی جیب کاٹ لی۔

احمد نے راہ گیر کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرنے میں مدد کی۔

گاؤں کے امام تمام لوگوں کی مذہبی امور میں مدد کرتے ہیں۔

اس خوبصورت عمارت کا نقشہ جاوید نے تیار کیا۔

نیچے دیے گئے ہر ایک جملے کو فعل ماضی (Past) میں تبدیل کیجیے۔ (مئی، جون: 2005)

مثال: قلی آموں کا ٹوکرا اٹھاتا ہے۔ قلی نے آموں کا ٹوکرا اٹھایا۔

احمد بوڑھے دادا کو مشکل سے کرسی پر بٹھاتا ہے۔

شریف دن رات محنت کر کے امتحان کی تیاری کرتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ میں جولائی میں پاکستان جاؤں گا۔

بشارت بڑا مخلص اور نیک انسان ہے اسی لیے محلے بھر میں مقبول ہے۔

امی جان باورچی خانے میں سموسے بنا رہی ہیں۔

نیچے لکھے ہوئے ہر جملے کو فعل ماضی (Past) میں تبدیل کریں۔ (اکتوبر، نومبر: 2005)

جاوید کی بد کلامی پر اکرم اسے تھپڑ مارتا ہے۔

احمد مجھ سے ہر بات یہی کہتا ہے کہ مجھے اس کا ساتھ دینا چاہیے۔

حکم دادا کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ ایک انتہائی گستاخ انسان ہے۔

مرزا صاحب بہت شفیق اور مہربان انسان ہیں، محلے کے لوگ انہیں پسند کرتے ہیں۔

دادا نوید کو پکارتے ہوئے گھر واپس آنے کو کہتے ہیں۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو صحیح لفظوں سے پورا کیجئے تا کہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔(مئی،جون:2006)

مثال: مہمانوں کے آنے سے گھر میں رونق آجاتی ہے۔ گھر میں رونق ہو جاتی ہے مہمانوں کے آنے سے۔

اچھی غذا صحت مندی کی علامت ہے۔

علی نے اشرف سے کہا"تم ایک نمبر کے چور ہو"۔

ہر اتوار کو دونوں بیٹے باجی تسنیم کو سیر و تفریح کے لیے لے جاتے ہیں۔

ہمارے سفر کا اہم ترین دن وہ تھا جب ہم دیوارِ چین دیکھنے گئے۔

میں اسلام آباد پہنچ کر آپ کو اپنی خیریت سے مطلع کروں گی۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو صحیح لفظوں سے پورا کیجئے تا کہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔(اکتوبر،نومبر:2006)

پہاڑی علاقوں میں کل سے برف باری جاری ہے۔

کہانی کا انجام اچھا ہو تو پڑھنے کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔

تنگ گلی کوچوں میں رہنے سے گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔

دوبارہ فیل ہونے پر بھی اسے شرمندگی کا کوئی احساس نہیں تھا۔

لڑکی ہے یا چھلاوہ، ہر وقت اچھل کود کرتی رہتی ہے۔

نیچے دیے ہوئے جملوں کو فعلِ مستقبل (Future) میں تبدیل کریں۔ (مئی، جون: 2007)

مثال: میں جمعے کے روز بازار گئی تھی۔ میں جمعے کے روز بازار جاؤں گی۔

اس سرکس کمپنی کا تماشا دیکھنے والا ہے۔

میں رات گئے تک کام کرتا رہا۔

میں نے گھڑی میز پر رکھ دی ہے۔

خالہ جان ہمارے گھر کل آئیں تھیں۔

ملک کو مستحکم بنانے میں بہت دیر لگتی ہے۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو صحیح لفظوں سے پورا کیجئے تاکہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔ (اکتوبر، نومبر: 2007)

کسی زمانے میں یہاں ایک بہت بڑا شہر تھا۔

برابر والے کمرے سے میری عینک اٹھا لاؤ۔

آج کل تو دور دراز کا سفر ہوائی جہاز سے ہوتا ہے۔

اس پروگرام کا آغاز انٹرنیٹ پر ہوا۔

کراچی میں سردی کا وہی عالم ہے جو مری میں گرمی کا ہے۔

نیچے لکھے ہوئے ہر ایک جملے کو صحیح لفظوں سے پورا کیجئے تا کہ اس سے پہلے لکھے ہوئے جملے کا مطلب نہ بدلے۔(مئی،جون:2008)

ہم روزانہ صبح گھر پر اخبار پڑھتے ہیں۔

باورچی خانے سے کھانا پکنے کی خوشبو آ رہی ہے۔

ہنسنا اچھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔

فرصت کے اوقات میں بھائی جان شطرنج کھیلتے ہیں۔

ہمارے امتحان اگلے ہفتے شروع ہو رہے ہیں۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعل ماضی(Past)میں تبدیل کریں۔(اکتوبر،نومبر:2008)

آج موسم بہت خوشگوار ہے۔

تصویروں کی نمائش دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

باورچی خانے سے کھانا جلنے کی بو آ رہی ہے۔

ہم دونوں یونیورسٹی میں ایک ہی مضمون پڑھیں گے۔

اپنی جلد بازی میں وہ سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گا۔

دیے گئے فعل ماضی کے جملوں کو فعل حال(Present) میں تبدیل کریں۔(مئی،جون:2009)

مثال: پہلے زمانے میں لوگ بہت پر خلوص ہوا کرتے تھے۔ آج کل کے زمانے میں لوگ بہت پر خلوص ہیں۔

رمضان کے بعد عید کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

پرنسپل صاحب بہت غصے میں بول رہے تھے۔

اس کے آنے سے محفل کی رونق بڑھ گئی تھی۔

اس نے ہر کام میں میرا ساتھ دیا۔

پچھلے سال کی بات کچھ اور تھی ،تب میں نا سمجھ تھا۔

نیچے دیے گئے جملوں کو بدل کر اس طرح لکھیں کہ ان کا مفہوم نہ بدلے۔(اکتوبر،نومبر:2009)

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کرسی لندن کے عجائب گھر میں رکھی ہے۔

آپ کی توجہ ایک مسئلے کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

لاہور سے اسلام آباد چار گھنٹے کا سفر ہے۔

ہر مقرر کو پانچ سے سات منٹ تک بولنے کی اجازت ہے۔

والدین کا وجود اولاد کے لیے بڑی نعمت ہے۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعل ماضی(Past) سے فعل مستقبل(Future) میں تبدیل کریں۔(مئی،جون:2010)

لڑکیوں کے کالج میں کل چھٹی تھی۔

اس نے پچھلے سال پنجاب یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔

وہ کئی دنوں سے گھر میں بیٹھا تھا۔

اس نے کہانی پڑھی لیکن سمجھی نہیں۔

وقت گزر گیا لیکن کام مکمل نہیں ہوا۔

نیچے دیے گئے جملوں کو اس طرح بدلیں کہ ان کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(اکتوبر،نومبر:2010)

کہانی اچھی ہو تو پڑھنے میں مزا آتا ہے۔

فلم جلدی شروع ہوئی لیکن دیر سے ختم ہوئی۔

نقلی پھولوں میں خوشبو نہیں ہوتی۔

وہ جب بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے اسے شاباش ملتی ہے۔

پہلے زمانے میں لوگوں کے پاس ہر کسی کے لیے وقت ہوتا تھا۔

خط کشیدہ الفاظ کو بدل کر اس طرح لکھیں کہ جملوں کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(مئی، جون:2011)

مثال: ماں باپ کی بات ماننے سے زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کی بات نہ ماننے سے زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔

گرمیوں میں ساحلِ سمندر پر رونق ہوتی ہے۔

قلم کی نوک موٹی ہونے کی وجہ سے لکھائی اچھی نہیں ہے۔

اس کے جانے سے مجھے بہت افسوس ہوا۔

اس سال بارش کم ہونے سے فصل خراب ہو گئی۔

امتحان کا نتیجہ اچھا آنے کی وجہ سے اسے کالج میں داخلہ مل گیا۔

خط کشیدہ الفاظ کو بدل کر اس طرح لکھیں کہ جملوں کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(اکتوبر، نومبر:2011)

نیک لوگ اپنے اعمال کی بدولت جنت میں جائیں گے۔

اس کے برے کام اس کی بدنامی کا باعث ہیں۔

بیرون ملک جانے والی پروازیں وقت پر جا رہی ہیں۔

درختوں پر سبز پتے بہار کی آمد کا پیغام دے رہے ہیں۔

لہجے میں مٹھاس ہونے سے کئی کام سنور جاتے ہیں۔

دیے گئے جملوں کو فعل ماضی میں تبدیل کریں۔(مئی،جون:2012)

مثال: اسے جب بھی ضرورت پڑتی ہے وہ مانگنے چلی آتی ہے۔ اسے جب بھی ضرورت پڑی وہ مانگنے چلی آئی۔

وہ کہے گا کچھ اور کرے گا کچھ۔

آج سخت سردی کے باعث درجہ حرارت گر گیا ہے۔

اس ماہ دکانوں میں سیل لگنے کی وجہ سے بڑی بھیڑ ہے۔

وہ بڑی دلچسپ باتیں کرتا ہے اس لیے اسے ہر کوئی پسند کرتا ہے۔

بارش بہت تیز ہے، سیلاب آنے کا خدشہ ہے۔

دیے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کو اس طرح بدلیں کہ جملے کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(اکتوبر،نومبر:2012)

مثال: دھوپ میں پودوں کو پانی کی زیادہ مقدار چاہیے۔ چھاؤں میں پودوں کو پانی کی کم مقدار چاہیے۔

زمین کی مٹی نرم ہو تو کھدائی آسان ہو جاتی ہے۔

لڑکیوں کو بیرون ملک پڑھنے کے کم مواقع میسر ہیں۔

منڈی میں علی الصبح جانے سے تازہ سبزی ملتی ہے۔

بارشوں میں شدت کی وجہ سے پانی کی سطح اونچی ہو گئی۔

اس کی ہمیشہ مسکرانے کی عادت کی وجہ سے لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔

دیے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کو اس طرح بدلیں کہ جملے کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(مئی، جون:2013)

مثال: کالی ساڑھی پر موتیوں کا کام بہت خوشنما لگ رہا ہے۔ سفید ساڑھی پر موتیوں کا کام بہت بدنما لگ رہا ہے۔

برف جم جانے سے سردی بڑھ جاتی ہے۔

تازہ کھانا خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

انسان کی کاہلی اس کی ناکامی کا سبب بن جاتی ہے۔

دوست کے غلط کاموں پر اس کی ہمت افزائی کرنا دشمنی کی نشانی ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں کو فعل مستقبل میں تبدیل کریں۔(اکتوبر، نومبر:2013)

مثال: پولیس مجرم کو پکڑ تو لیتی ہے لیکن جرم ثابت نہیں کر پاتی ہے۔ پولیس مجرم کو پکڑ تو لے گی لیکن جرم ثابت نہیں کر پائے گی۔

وہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتا ہے۔

آپ کی شرکت محفل کی رونق بڑھا دیتی ہے۔

تم ایک کام کرتے ہو تو دس بگاڑتے ہو۔

بارش کم ہونے سے پانی کی قلت ہو جاتی ہے۔

ماں کی دعائیں بہت پر اثر ثابت ہوتی ہیں۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعل ماضی سے فعل مستقبل میں تبدیل کریں۔(مئی، جون:2014)

مثال: اس نے اپنی بدسلوکی سے سب کو اپنے خلاف کر لیا تھا۔ وہ اپنی بدسلوکی سے سب کو اپنے خلاف کر لے گا۔

ایک زمانے میں سماجی برائیاں عروج پر تھیں۔

وہ وعدہ خلافی کو برا نہیں سمجھتا تھا۔

حامد نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنی چاپلوسی سے سب کو بیوقوف بناتی تھی۔

بارش کی کمی قحط کا سبب بن گئی تھی۔

دیے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کو اس طرح تبدیل کریں کہ جملوں کا مفہوم الٹ ہو جائے۔(اکتوبر نومبر:2014)

مثال:۔ صحیح غذا بدن میں چستی پیدا کرتی ہے۔ جواب:۔ غلط غذا بدن میں سستی پیدا کرتی ہے۔

درجہ حرارت گھٹنے کی وجہ سے فریج کے سرد خانے میں موجود اشیاء جمنے لگیں۔

خزاں میں درخت پتوں کے بغیر نظر آتے ہیں۔

مشکل سوالات حل کرنے کے لیے دماغ پر کافی زور ڈالنا پڑتا ہے۔

اناج کی پیداوار میں کمی کے باعث کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہو گئی ہیں۔

ڈاکٹر کی بے احتیاطی کی وجہ سے آپریشن ناکام رہا۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعلِ ماضی سے فعلِ مستقبل میں تبدیل کریں۔(مئی، جون:2015)

مثال:۔ عامر نے تمھاری ساری غلطیاں معاف کر دیں۔ عامر تمھاری ساری غلطیاں معاف کر دے گا۔

راشد نے آخری دم تک بھائی کا ساتھ دیا۔

مونا اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئی۔

اپنی نا سمجھی سے اسلم نے سب کچھ کھو دیا۔

تم میرے کبھی کام نہیں آئے۔

میں اسے سمجھانے میں ناکام رہا۔

نیچے دیے گئے خط کشیدہ الفاظ کی جگہ ان کے متضاد الفاظ لکھیں تاکہ جملے کا مفہوم بدل جائے۔(اکتوبر نومبر:2015)

مثال:۔ حق کا ساتھ دینا بہادری کی نشانی ہے۔ باطل کا ساتھ دینا بزدلی کی نشانی ہے۔

تمھاری نا سمجھی کی وجہ سے سارا کام خراب ہو گیا۔

غلط صحبت انسان کو اچھائیوں سے دور رکھتی ہے۔

اس کے اچانک آجانے سے سارا گھر خوش ہو گیا۔

مسلسل ناکامی انسان کا حوصلہ پست کر دیتی ہے۔

اتنی دوستی کے باوجود اس نے سچ بولنے سے گریز کیا۔

دیے گئے جملوں کو دوبارہ اس طرح لکھیں کہ پہلے جملے کا زمانہ اور مفہوم نہ بدلے۔(مئی، جون:2016)

مثال:۔ میدان اونچے درختوں میں گھرا ہوا ہے۔ میدان کو اونچے درختوں نے گھیرا ہوا ہے۔

صاف ستھرا ماحول صحت پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔

جھوٹ بولنے سے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔

بچہ تصویر بنانا سیکھ رہا ہے۔

احمد نے اچھی کارکردگی پر انعام حاصل کیا۔

نوید اپنے کپڑے درزی سے سلواتا ہے۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعلِ مستقبل میں تبدیل کریں۔(اکتوبر، نومبر:2016)

مثال:۔ تیز ہوا سے موم بتی بجھ گئی۔ تیز ہوا سے موم بتی بجھ جائے گی۔

اچھا دوست برے حالات میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔

گیند لگنے سے کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ سکتا ہے۔

سورج ڈھلتے ہی اندھیرا پھیلنے لگا۔

تیز بارش سے سیلاب کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

وہ محنت کر کے امتحان میں اول آیا تھا۔

دیے گئے جملوں کو فعلِ حال میں تبدیل کریں۔(مئی،جون:2017)

مثال:۔ دھوپ تو نہیں تھی لیکن گرمی بہت تھی۔ دھوپ تو نہیں ہے لیکن گرمی بہت ہے۔

جب فارغ وقت ملے گا تو ہم سب کرکٹ کھیلیں گے۔

استاد موجود تھا اور بچے پھر بھی شور کر رہے تھے۔

پچھلے سال ولی کی سالگرہ پر صرف چند ہی دوست آ سکے تھے۔

سکور تو بہت کم تھا لیکن ٹیم کے جیتنے کا امکان باقی تھا۔

آئندہ برس گندم کی پیداوار نسبتاً زیادہ ہو گی۔

نیچے دیے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کو اس طرح بدلیں کہ مفہوم الٹ ہو جائے۔(اکتوبر،نومبر: 2017)

مثال: دفتر عارضی طور پر قدیم عمارت میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ دفتر مستقل طور پر جدید عمارت میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

گرمی کے موسم میں سورج جلد طلوع ہوتا ہے۔

تاریکی میں راستہ ڈھونڈنا دشوار تھا۔

شہری زندگی عموماً تیز رفتار ہوتی ہے۔

دائیں طرف مڑیں تو ایک طویل سڑک باغ تک جاتی ہے۔

سچائی کا ساتھ دینے والا ہمیشہ پر سکون رہتا ہے۔

نیچے دیے گئے جملوں کو فعل ماضی سے فعل مستقبل میں تبدیل کریں۔ (مئی، جون: 2018)

مثال: پچھلی صدی میں انسان کی ترقی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اگلی صدی میں انسان کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گی۔

جب استاد کمرے سے باہر نکل گئے تو بچے نقل کرنے لگے۔

گزشتہ برس بارشیں زیادہ ہوئی تھیں۔

میں کل رات جلدی سو گیا اور صبح جلدی اٹھا تھا۔

اگر تم بے کار بحث نہ کرتے تو لڑائی کی نوبت نہ آتی۔

پہلے بھی امجد اسی طرح ٹال مٹول سے کام لیتا تھا۔

نیچے دیے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کی جگہ واحد الفاظ لکھیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2018)

مثال: عدالت نے ملزمان کو اپنے حق میں دلائل پیش کرنے کا حکم دیا۔ عدالت نے ملزم کو اپنے حق میں دلیل پیش کرنے کا حکم دیا۔

بچوں کو آداب زندگی سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔

طالبات نے بہت محنت سے مشکل مضامین کی تیاری کی۔

ہمسایہ ممالک کی افواج نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

قوانین کی پابندی کرنا مہذب اقوام کا شیوا ہے۔

امراض بڑھنے کی بڑی وجہ ادویات کا مہنگا ہونا ہے۔

خالی جگہ پر کرنا

اس سوال میں کل مارکس حاصل کرنے کا طریقہ

خالی جگہ پر کرنے سے متعلق سوال کا تعلق طالب علم کی زبان شناسی سے ہے۔ کوئی طالب علم جس قدر زبان کے الفاظ کی پہچان کرنے میں تاک ہو گا، اسی قدر وہ جملوں کی پہچان، الفاظ کے محلِ استعمال اور مناسب الفاظ کی جملوں میں جگہ طے کرنے میں ماہر ہو گا۔

کیمبرج میں تقریباً ایک سو الفاظ پر مشتمل ایک عبارت دے کر اس کے جملوں میں مخصوص الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ عبارت کے آخر میں چند الفاظ دیے جاتے ہیں جن میں موزوں اور مناسب الفاظ کا انتخاب کر کے عبارت کی خالی جگہوں کو پر کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ ان خالی جگہوں کی تعداد پانچ ہوتی ہے۔

خالی جگہ سے متعلق سوال حل کرنے کے لیے:۔

1. مکمل عبارت کو غور سے پڑھیں۔
2. تجویز کردہ الفاظ کو پڑھیں اور ان کے معانی و مفاہیم کو سمجھیں۔
3. دوبارہ عبارت کو پڑھیں۔ اس دفعہ ہر خالی جگہ پر رک جائیں اور آخر میں دیے گئے الفاظ میں سے مناسب لفظ کا انتخاب کر کے کچی پنسل سے اسے خالی جگہ میں لکھیں۔ اسی طرح تمام خالی جگہیں کچی پنسل سے پر کریں۔
4. اب کچی پنسل سے پر کی گئی خالی جگہوں سمیت عبارت کو پڑھیں اور چیک کریں آیا کہ آپ کے لکھے گئے الفاظ کی موجودگی میں عبارت اپنا مکمل اور مناسب مفہوم ادا کر رہی ہے؟ اگر کر رہی ہے تو آپ نے درست الفاظ کا انتخاب کر کے خالی جگہیں پر کی ہیں۔ اگر عبارت مناسب مفہوم ادا نہیں کر رہی یا کسی ایک خالی جگہ میں لکھے گئے لفظ کی وجہ سے وہ فقرہ اپنا مفہوم ادا نہیں کر رہا تو اسے مٹا کر دوبارہ نیچے دیے گئے الفاظ پر غور کر کے کسی اور لفظ پر غور کریں۔
5. جب تمام الفاظ درست اور مناسب مل جائیں اور ان کی مدد سے خالی جگہ پر کر دی جائے تو انہیں پوائنٹر یا بال پین کی مدد سے "پکا" کر دیں۔

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2004)

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جب سے یہ مکان تعمیر ہوا ہے آپ نے اس کی __________ کی طرف بھولے سے بھی توجہ نہیں دی۔اب گزشتہ پانچ سالوں سے میں بھی اس مکان میں سکونت پذیر ہوں۔دو دفعہ اس کی مرمت کرا چکا ہوں۔پہلے تو یہ مرمت معمولی قسم کی تھی لیکن آکل کے __________ کے دور میں کافی خرچ آنے کا امکان ہے۔براہ کرم اپنی __________ فرصت میں مکان کی مرمت کا مناسب بندوبست کریں۔اگر آپ کسی وجہ سے __________ ہوں تو مجھے خط لکھ دیں یا فون ہی کر دیں تاکہ میں اپنے __________ پر انتظام کر کے مکان کی مناسب مرمت کرالوں۔میں کرایہ کی رقم سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وضع کر لیا کروں گا۔

مصروف۔طور۔خوبصورتی۔دوسری۔آپ۔پہلی۔مشکل۔مرمت۔فوری۔پریشانی۔ناچار۔ترقی۔نااہل۔اولین۔مہنگائی

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر نومبر:2004)

ڈاکٹری ایک نہایت معزز اور __________ پیشہ ہے۔آمدنی کی آمدنی اور خدمت کی خدمت۔ویسے بھی ہمارے __________ میں ڈاکٹری کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔آج کل جس تیز رفتاری کے ساتھ ملازمتوں کا __________ تنگ ہوتا جارہا ہے اور پڑھے لکھے بیکاروں کی تعداد میں جس کثرت سے اضافہ ہو رہا ہے اس کے پیشِ نظر میں یہی سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر ہی بنوں اور اس طرح اپنے __________ کو محفوظ کر لوں۔مجھے امید ہے کہ آپ میری اس تجویز سے اتفاق کریں گے بلکہ میری تو یہ دلی خواہش ہے کہ آپ بھی نان میڈیکل کی بجائے میڈیکل گروپ میں داخلہ لیں اور اس طرح میرے __________ بن جائیں۔کہیے،کیا خیال ہے آپ کا؟

ہم پیشہ۔رقبہ۔ہاں۔دائرہ۔خاندان۔مستقبل۔کنبہ۔ہمیشہ۔معزز۔تجویز۔معاشرے۔باوقار۔بے کار۔جگہ۔رقیب

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2005)

بابا حسن دین حقے کا بڑا __________ ہے۔__________ بھی اسے وقت ملتا ہے وہ حقہ سلگا کر چار کش لگا لیتا ہے اور پھر اپنے کام __________ مصروف ہو جاتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اسکول کے لڑکوں کو سگریٹ پینے سے منع کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ وہ بچپن سے ہی اس بری عادت کا شکار ہو گیا تھا اور آج تک اس کو __________ نہیں کر سکا اس لیے سگریٹ نوشی سے اپنی صحت اور دولت برباد نہ __________۔اسکول کے تمام استاد اور طلبا حسن کی نیکی شرافت اور خدمت کے قدردان ہیں۔

مریض۔سے۔کیجیے۔طاق۔سکتی۔تب۔کو۔ترک۔پیارا۔جب۔میں۔شوقین۔کب۔کرو

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر: 2005)

جس طرح دوستوں کے __________ کے لیے بڑی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح انتخابِ کتب بھی ایک __________ مسئلہ ہے۔ جس طرح ایک نیک اور اچھے چال چلن کا مالک انسان اپنے دوست کو برائی سے بچا لیتا ہے اسی طرح اچھی کتابیں دل و دماغ اور عادات و اطوار پر اچھا اثر ڈالتی ہیں اور بے ہودہ کتابیں طبیعت کو __________ کی طرف مائل کرتی ہیں۔ مختصر ایہ کہ بری کتابوں کا __________ پڑھنے والے کی اخلاقی __________ کا باعث بنتا ہے۔

معمولی۔ بلندی۔ غلط۔ تباہی۔ انتخاب۔ تعلقات۔ بارے۔ اہم۔ ضروری۔ مطالعہ۔ فروخت۔ خریدنا۔ برائی۔ نیکی۔ آخرت

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی، جون: 2006)

شہری اور دیہاتی زندگی میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ دیہاتی زندگی بہت سادہ اور ان مسائل سے دور ہوتی ہے جو شہری زندگی کا حصہ ہیں۔ گو کہ لوگوں کی آمدنی __________ ہوتی ہے مگر زندگی پر سکون طریقے سے بسر کرتے ہیں۔ دیہاتی لوگ بہت مخلص ہوتے ہیں اور مہمان نوازی ان کی __________ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ شہریوں کے مقابلے میں یہ لوگ __________ طور طریقوں کے سختی سے پابند ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہاں استاد کو __________ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ __________ کی کمی کے باعث کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں، ان کے فیصلے اکثر گاؤں کی چوپال میں طے پاتے ہیں۔

چھوٹی۔ یکجا۔ وصف۔ نااہل۔ تعلیم۔ روایتی۔ فطرت۔ احترام۔ طریقہ۔ قلیل۔ کثیر۔ کارنامہ۔ جہالت۔ مضبوط۔ معصومیت

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر: 2006)

دریائے سوات نے وادی سوات کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے ہیں یہ دریا جب __________ پگڈنڈیوں پر سے گہری ڈھلوانوں کی طرف بہتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کہ نیلا رِبن دور دور تک سبزے کے بیچوں بیچ __________ ہو۔ سوات کے دل کش نظارے سیاحوں کے دلوں کو __________ ہیں۔ پرندوں کی سریلی آوازیں کانوں میں رس گھولتی ہیں۔ شہری زندگی کی مصروفیات سے اگر کچھ لمحے نکل سکیں تو یہ نظارے بالکل __________ میں دستیاب ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ایسی جگہیں ابھی بھی انسان کی نظر سے __________ ہیں جنہیں دیکھ کر دوبارہ جینے کو جی چاہتا ہے۔

خوش۔ گہری۔ ارزاں۔ اونچی نیچی۔ ظاہر۔ اوجھل۔ مناسب۔ اعلیٰ۔ لبھاتے۔ ناپید۔ عیاں۔ بچھا۔ انجام۔ مفت۔ اثر

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2007)

مچھر ایک ایسا__________ کیڑا ہے جس سے انسان تو کیا جانور بھی__________ نہیں۔یہ گندگی سے پیدا ہوتا ہے اور گندگی میں ہی پلتا ہے۔نمرود جیسے__________ اور مغرور شہنشاہ کو ہلاک کرنے والا یہی حقیر__________ تھا۔یہ نمرود کی ناک میں گھس کر اس کے دماغ تک جا پہنچا تھا اور مسلسل اذیت کا باعث تھا۔آخر یہی__________ نمرود کی جان لینے کا سبب بنی۔

تباہی۔خودسر۔اضافہ۔کیڑا۔مقابلہ۔موذی۔صحت۔ہمیشہ۔تکلیف۔مستقل۔محفوظ۔راحت۔دعا

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2007)

اس حویلی کے پاس ایک قلعہ نما باغ ہوا کرتا تھا__________ حضوری باغ کہلاتا تھا۔اس باغ میں رانیاں اور شہزادیاں بیٹھا کرتی تھیں لیکن بعد میں اسے ختم کر کے ایک بازار__________ کیا گیا جس کا نام رنجیت نگر__________ ہوا۔یہی بازار آج کل پرانی سبزی منڈی کے نام سے موسوم ہے۔یہاں سبزی کے علاوہ__________ مچھلی کی دکانیں بکثرت ہیں۔یہ بازار آج بھی سیاحوں کے لیے خاص__________ رکھتا ہے۔

جو۔تدبیر۔کم۔جسے۔کشش۔بیشتر۔دیر۔تازہ۔زیادتی۔ے جویز۔بنایا۔تعمیر۔پرکشش۔راجا۔حکومت

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2008)

علاؤالدین میں ایک بڑی__________ یہ تھی کہ وہ بے حد نڈر اور بہادر انسان تھا۔اس کے علاوہ وہ بڑا زبردست سیاست دان تھا۔اس نے محکمہ خبر رسانی کی رکھی جو اسے رعایا کے حالات سے باخبر رکھتا تھا۔ان__________ کی کامیابی کا یہ حال تھا کہ امیر اور افسر اپنے گھروں میں بیوی اور بچوں سے جو__________ کرتے تھے اس کی خبر بھی بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔اس نے شراب کی__________ کے لیے خود شراب چھوڑ دی اور اس کی سختی سے ممانعت کی۔

بیوقوف۔گفتگو۔خامی۔فروغ۔روک تھام۔بنیاد۔شکست۔جاسوسوں۔حالت۔اعلان۔خوبی۔پینا۔حفاظت

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2008)

کوئی بھی کہانی صرف ایک کہانی ہی نہیں ہوتی بلکہ کئی کہانیوں کا __________ ہوتی ہے۔اکثر کہانی کا اختتام ایک اور کہانی کو جنم دیتا ہے اور مزید کہانیوں کی __________ ہوتی ہے۔ان میں سے کچھ تلخ، کچھ کھٹی میٹھی اور کچھ __________ واقعات سے بھرپور ہوتی ہیں۔کہانیوں کو چننے میں پڑھنے والے کے ذوق کا بڑا __________ ہوتا ہے۔انہیں پڑھنے سے لوگ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی اپنی الجھنوں سے __________ تو پاتے ہیں۔

چاہت۔اصلی۔شروعات۔پرانی۔نجات۔نفرت۔کہنا۔طریقہ۔احساس۔پراسرار۔اکٹھا۔عمل دخل۔حیران۔تکلیف۔مجموعہ

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2009)

خراٹے لینے والوں کے لیے نہ سہی لیکن آس پاس کے لوگوں خصوصاً ساتھ سونے والوں کے لیے خراٹے باعث __________ ہوتے ہی۔نیند آنکھوں سے __________ بھاگتی ہے۔کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خراٹے میاں بیوی کے جھگڑوں کا __________ بن جاتے ہیں۔مغرب میں تو نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ماہرین کے مطابق ان کی __________ میں کمی کرنے کے لیے طرزِ زندگی میں __________ لانی ضروری ہے۔

رحمت۔سبب۔شادی۔دور۔زحمت۔قربانی۔طلاق۔دوران۔ہردل عزیز۔تبدیلیاں۔نزدیک۔سالی۔شدت۔دوری

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2009)

جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں عدل و انصاف __________ رکھنے کے لیے کئی انتظامات کئے تھے۔ان میں سے ایک شاہی قلعے کے دروازے پر لگی ہوئی __________ تھی جس کو کھینچ کر کوئی بھی شخص __________ کے خلاف اس سے رجوع کر سکے۔اسے مصوری سے بے حد __________ تھا اور وہ ہر __________ کی خوبیاں پہچان لیتا تھا۔

گھڑی۔نفرت۔ظلم۔برائیاں۔آسان۔برقرار،غلط۔محنت۔لگاؤ۔بنانے۔زنجیر۔گہرائی۔شخص۔شدت۔لفظ

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2010)

ان حضرت کی سفر کی تیاریاں__________سے تعلق رکھتی ہیں۔ایک گھنٹے تک یہ شیو کرتے ہیں اور__________ اتنا ہی وقت غسل میں لگاتے ہیں۔سوا گھنٹہ لباس کے__________ میں صرف ہوتا ہے اور آدھ گھنٹہ بریف کیس کو کھولنے اور بند کرنے می__________ ہیں۔جب__________ کر لاری اڈے پہنچتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بس چھوٹ چکی ہے۔

دیکھنا۔ہلکا۔سج دھج۔تیاری۔دیکھنے۔رنگ۔روانہ۔انتخاب۔ناامید۔آہستہ۔لگاتے۔نامکمل۔تقریبا۔تیار۔لگنے

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2010)

کچھ حضرات شیخیاں مارنے سے__________ نہیں آتے اور ہر محفل میں ہمہ وقت اپنا ہی__________ الاپتے رہتے ہیں جسے سن سن کر آس پاس والوں کو سخت__________ ہونے لگتی ہے اور محفل__________ سی ہو جاتی ہے۔ایک اچھا__________ قائم کرنے کے لیے اپنی تعریف کرنے کے بجائے دوسروں کو بھی بات کرنے کا موقع دینا چاہیے۔

رنگ۔منع۔کوفت۔مسئلہ۔خوشی۔باز۔ماحول۔صحیح۔نام۔کوشش۔خوش گوار۔تعریف۔محل۔بے رنگ۔راگ

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2011)

اردو شاعری میں استادی و شاگردی کے__________ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ہر شاعر کسی__________ شاعر کا شاگرد بن جاتا ہے،جو اس کے کلام کی__________ کرتا ہے۔پرانے زمانے میں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔استاد کا__________ بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے کیونکہ استاد کی شہرت اور ناموری سے شاگرد کی شہرت__________ ہوتی ہے

گمنام۔انتخاب۔دیکھ بھال۔مشاق۔اصلاح۔ترتیب۔رواج۔نام۔دور۔ناموروں۔عمل۔وابستہ۔خراب۔وجہ

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر: 2011)

مفلس اور نادار رشتہ داروں سے عموما__________ کا اظہار کیا جاتا ہے۔اگر کسی محفل میں مڈ بھیڑ ہو جائے تو نظریں__________ لی جاتی ہیں کہ کہیں ان کی عزت پر__________ نہ آ جائے۔لیکن اگر کوئی غریب عزیز محنت کے__________ پر اچھے__________ پر فائز ہو جائے تو یہی حضرات اس کے دروازے پر دستک دینے کے لیے قطار میں کھڑا ہونے سے گریز نہیں کرتے۔

حرف۔طوفان۔بل بوتے۔جگہ۔منصب۔پیغام۔طریقہ۔برائی۔تنقید۔بیگانگی۔نکتہ۔حاصل۔چرا۔اٹھا۔افسوس

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی، جون: 2012)

سوئٹزر لینڈ دنیا کے خوبصورت ترین ممالک میں__________ ہوتا ہے۔اس کے حسین__________ سے لطف اندوز ہونے اور برف سے__________ وادیوں میں اسکیٹنگ کی غرض سے__________ کی تعداد میں لوگ آتے ہیں۔ہندی فلموں کے__________ بھی شوٹنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ستارے۔کئی۔نظاروں۔فضاؤں۔وادیاں۔ایک۔سیر۔شمار۔سمجھا۔چند۔ہزاروں۔ڈھکی۔خالی۔گانے۔مناسب

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر: 2012)

گرمی کی__________ محسوس ہوتے ہی ٹھنڈے__________ پینے کو جی چاہتا ہے۔اکثر درجہ حرارت 40 سے بھی__________ جاتا ہے اور ہر کوئی پسینے میں__________ نظر آتا ہے۔ایسے میں بار بار__________ کا چلا جانا عذاب الٰہی سے کم نہیں ہوتا۔

سردی۔بجلی۔دور۔کمی۔واپس۔بڑھ۔سبزہ۔بوتلیں۔شرابور۔گرم۔مشروبات۔باہر۔ٹھنڈک۔شدت۔سایہ

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2013)

صبح سویرے باغ کی سیر صحت کے لیے بے حد مفید سمجھی جاتی ہے۔__________ میں آلودگی کم اور __________ کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔سرسبز گھاس اور خوش نما پھول پودے__________ کو راحت بخشتے ہیں۔لیکن آج کے مصروف__________ میں یہ__________ کم ہوتا جارہا ہے۔

دن۔دور۔عادت۔رجحان۔نگاہوں۔آنکھیں۔موسم۔فضا۔تازگی۔خوشگوار۔رونق۔طور طریقے۔ہوائیں۔گہما گہمی۔کانوں

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2013)

غیبت ایک ایسی__________ ہے جس سے معاشرے میں کئی__________ پیدا ہوتی ہیں۔اس برائی سے دور رہنے کی سختی سے__________ کی گئی ہے۔کسی کی برائی اس کی غیر موجودگی میں کرنے والے بڑی او چھی طبیعت کے__________ ہوتے ہیں اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے کا__________ بنتے ہیں۔

نعمت۔اچھائیاں۔رکھتے۔مالک۔وجہ۔خرابیاں۔لعنت۔منع۔سبب۔تاکید۔دشمن۔حکمت۔حرج۔حکم۔اسباب

مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2014)

مسلسل ناکامیاں عام طور پر__________ اثرات پیدا کرتی ہیں جس کا نتیجہ__________ ہوتی ہے۔اکثر اوقات انسان غم و غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔منفی سوچ کردار پر اثر انداز ہوتی ہے اور گھریلو تعلقات__________ کا باعث بنتی ہے۔محرومی اور ناکامی کا ڈٹ کا مقابلہ کرنا اور اس اعتماد و یقین کے ساتھ__________ کہ سیاہ بادلوں کے پیچھے چھپا سورج نکلنے ہی والا ہے کامیابی کی__________ تک پہنچا دیتا ہے۔

سنوارنے۔سدھارنے۔جینا۔مایوسی۔بگاڑنے۔خوشی۔کامیابی۔مرنا۔راحت۔کرسی۔مقام۔منزل۔مثبت۔منفی۔صحیح

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر:2014)

انور میاں گھر سے سوٹ بوٹ، ٹائی اور دھوپ کے چشمے سے ______________ ہو کر ٹیکسی کے منتظر سڑک کے کنارے کھڑے تھے کہ ________ بارش نے آن لیا۔ بال اور کپڑے بدن سے ______________ کر رہ گئے۔ ایسے میں فراٹے بھرتی ایک کار انور میاں کے قیمتی سوٹ پر ____________ کے نقش و نگار بناتی ہوئی انہیں ______________ چھوڑ گئی۔

چپک۔ پہن۔ سج۔ موسلا دھار۔ ہکا بکا۔ لیس۔ کیچڑ۔ پریشانی۔ رنگ۔ ناکارہ۔ دور۔ سوکھا۔ خراب۔ گیلی۔ ہلکا۔

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی، جون:2015)

اچھی فلمیں وہ ہوتی ہیں جن میں ہماری ______________ زندگی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں۔ جن میں سماجی ______________ لوگوں کے ______________ لائی جاتی ہیں تا کہ ______________ کو سدھارا جا سکے۔ فلم بنانے والوں کو اپنی اس ______________ کا احساس ہونا چاہیے۔

محلے۔ معاشرے۔ پرانی۔ روزمرہ۔ ذمہ داری۔ غلطی۔ پیچھے۔ سامنے۔ اچھائیاں۔ برائیاں۔ پہچان۔ روایت۔ مثبت۔ اسکول۔ ساتھ

آخر میں دیے گئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہوں کو پر کریں۔(اکتوبر، نومبر:2015)

اکثر لوگ نہایت معمولی بات پر بھی ______________ کا سہارا لیتے ہیں۔ لباس اور زیور کی قیمت عموماً پانچ سے سات آٹھ سو روپیہ ______________ بتائی جاتی ہے۔ عمر کے معاملے میں خواتین کافی ______________ کا مظاہرہ کرتی ہیں اور چار پانچ سال کم بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ آج کل تو مرد حضرات بھی خواتین سے ______________ نہیں۔ اپنی ہم عمر خواتین کو باجی یا آنٹی کہہ کر اپنے کو کم عمر ______________ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

بتانے۔ ظاہر۔ دکھانے۔ سچائی۔ کنجوسی۔ پیچھے۔ دور۔ زیادہ۔ وسیع۔ سامنے۔ جھوٹ۔ حقیقت۔ صحیح۔ زندگی۔ حیران

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہیں پر کریں۔(مئی، جون:2016)

مہمان کی خاطر تواضع کرنا ہماری ______ کا حصہ ہے۔میزبان کی طرح مہمان کو بھی اعلیٰ اخلاق کا ______ ہونا چاہیے۔اسے چاہیے کہ میزبان کے لیے زحمت اور ______ کا باعث نہ بنے اور ہو سکے تو ______ دے کر جائے۔اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم بے وقت نہ پہنچے۔زیادہ ______ نہ ٹھہرے اور چلتے وقت میزبان کا شکریہ ادا کرے۔

مہربانی۔خاطر۔تکلیف۔جلدی۔دیر۔مذہب۔مثال۔کردار۔تہذیب۔قیمت۔بڑائی۔آواز۔تعریف۔اطلاع۔نمونہ

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر:2016)

وٹامنز صحت بخش خوراک کا ______ یا صحت یا صحت کے لیے بہت ناگزیر چیز نہیں ہیں۔اگر ہم متوازن اور صحت بخش غذا کھائیں تو ہمیں ______ وٹامنز لینے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔مانا کہ بیشتر وٹامنز بے ضرر اور ______ ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض کے ضمنی اثرات کے بارے میں ہماری معلومات ابھی تک نامکمل ہیں۔اس کے علاوہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ دیگر دواؤں کے ساتھ لیے جانے کی صورت میں یہ کیا ______ مرتب کریں گے۔اس لیے جب تک ______ خود اس کا مشورہ نہ دے وٹامنز سمیت کوئی بھی دوا نہیں لینی چاہیے۔

تاثرات۔محفوظ۔مشورہ۔ڈاکٹر۔طاقت۔ذرائع۔متبادل۔استاد۔پیغام۔خطرناک۔خیال۔اندازہ۔اضافی۔سوال۔اثرات

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہیں پر کریں۔(مئی، جون:2017)

کون نہیں جانتا کہ غصہ اچھی چیز نہیں۔اس سے انسان کی ______ صلاحتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔اس کا نتیجہ اکثر پریشانی اور ______ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔اس فطری عمل سے مکمل ______ تو ممکن نہیں لیکن قوتِ ______ میں اضافہ اور فوری ردعمل سے گریز انسان کو بہتر ذہنی حالت کے ساتھ مسائل کا حل ______ کرنے میں مدد دیتا ہے۔

خیال۔ضمانت۔برداشت۔انجام۔عادت۔ندامت۔نگہداشت۔تلاش۔معمولی۔ذہنی۔اندازہ۔رفتار۔پریشان۔بینائی۔چھٹکارہ

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر، نومبر:2017)

میٹھی زبان اور اچھا اخلاق ایسی خوبیاں ہیں جو ____________ کو نکھار عطا کرتی ہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی دنیاوی ____________ سے معمولی رُتبہ انسان اپنے اخلاق اور زبان کی ____________ کے سبب ہر دل عزیز بن جاتا ہے اور دولت اور ظاہری حسن سے مالا مال انسان حسنِ اخلاق سے ____________ کی بناپر ناپسند کیا جاتا ہے۔گویا خوش اخلاقی سے ہی دلوں کو ____________ کیا جاسکتا ہے۔

دلکش۔اعتراف۔نرمی۔سوال۔تصویر۔حسین۔اعتبار۔سختی۔محرومی۔تعمیر۔شخصیت۔انتظار۔خرابی۔تسخیر۔ضرورت

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(مئی،جون:2018)

کمزور یاداشت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم ایک ____________ میں کئی کام شروع کر لیتے ہیں اور کسی پر بھی اپنی توجہ ____________ نہیں کر پاتے، لہٰذا کچھ یاد نہیں رہتا۔دراصل جب ہم بیک وقت کئی کام کرتے ہیں تو دماغ کے وہ حصے ____________ ہوتے ہیں جن کا کام تفصیل سے یادیں محفوظ رکھنا نہیں ہوتا۔اس کے ____________ اگر ایک وقت میں ایک کام کیا جائے تو ہمارا دماغ اس کی تفصیلات کو زیادہ بہتر طور پر ____________ کر سکتا ہے۔

مقدار۔مرکوز۔باوجود۔سال۔متحرک۔ذہین۔مطابق۔وقت۔کام۔محفوظ۔رکھ۔برعکس۔زمانہ۔حرکت۔خزانہ

آخر میں دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔(اکتوبر،نومبر:2018)

موجودہ دور سائنس کی ترقی کا دور ہے، مگر جادوگروں، بھوت پریت اور ____________ کرداروں اور واقعات سے بھرپور فلمیں ____________ کی نسبت آج کل کہیں زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔وہ تمام ____________ جن کی سائنس نفی کرتی ہے، جدید ایجادات کے استعمال سے ہی اس قدر ____________ بنا کر فلموں میں دکھائے جاتے ہیں کہ بچے بڑے سب ہی ان کے سحر میں ____________ ہو جاتے ہیں۔

فرض۔گزشتہ۔ڈراؤنی۔ماضی۔عادات۔حال۔نقل۔غیر فطری۔معمولی۔پھنس۔حقیقی۔پریشانی۔گرفتار۔کمزوری۔تصورات

خلاصہ نویسی

کل نمبر:10

مطلوب حد الفاظ:100

اس سوال میں کل مارکس حاصل کرنے کا طریقہ

دورِ حاضر میں لوگوں کے پاس مصروفیات انتہائی زیادہ اور وقت انتہائی قلیل ہوتا ہے۔ ان کے پاس طویل تحریریں پڑھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر تحریر کو مختصر انداز میں لکھ کر پیش کیا جائے۔ مختصر انداز میں تحریر پیش کرنا خلاصہ نویسی کہلاتا ہے۔ خلاصہ نویسی کا فن جاننے والے حضرات کو اخبارات، رسائل، ٹی وی، ریسرچ کے شعبوں اور سرکاری سفارت خانوں میں ملازمت با آسانی مل سکتی ہے۔ آج کل "شارٹ ہینڈ کورس" کے ذریعے خلاصہ نویسی کا فن سکھایا جاتا ہے اور یہ کورس کرنے کے بعد سکیل 14 میں ملازمت مل جاتی ہے۔ ذیل میں خلاصہ نویسی سے متعلق چند ضروری معلومات دی جاتی ہیں۔

1. خلاصہ کو تلخیص بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ عربی لفظ "خلص" سے ماخوذ ہیں۔ خلص کا مفہوم ہے "خالص ہونا، ایک ہی مقصد پر توجہ کرنا"۔ اردو زبان کے الفاظ خلوص اور اخلاص بھی "خلص" سے ماخوذ ہیں۔
2. خلاصہ نویسی / تلخیص نگاری کا مطلب ہے "کسی عبارت کا نچوڑ بیان کرنا"۔
3. اردو اولیولز کے پیپر 2 میں سوال نمبر 4 "خلاصہ نویسی" سے متعلق ہوتا ہے۔ اس سوال کے 10 نمبر ہوتے ہیں۔
4. خلاصہ نویسی کے سوال میں تقریباً 300 الفاظ پر مشتمل ایک اردو عبارت دی جاتی ہے۔ اس عبارت میں 5 اہم نکات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ عبارت کے بعد وہی 5 نکات لکھے جاتے ہیں۔ امیدوار کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ مکمل عبارت کا نچوڑ اس طرح بیان کرے کہ اس میں پانچوں نکات مختصر انداز میں آ جائیں۔
5. چونکہ خلاصہ نویسی میں اصل عبارت کو 3 / 1 حصے میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس 300 الفاظ کی عبارت کا خلاصہ 100 الفاظ میں لکھنا ہوتا ہے۔
6. ہر اشارے سے متعلق تقریباً 20 الفاظ اور دو نکات تحریر کیے جاتے ہیں۔
7. ایک اشارے کے دو نمبر ہوتے ہیں۔ ایک نمبر کا ایک نکتہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک اشارے کے دو نمبر حاصل کرنے کے لیے اس اشارے کے تحت دو نکات تحریر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔
8. دونوں نکات بیس الفاظ میں لکھنے ہوتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ایک نکتہ صرف ایک مختصر جملے میں لکھا جائے جس میں الفاظ کی تعداد 10 سے زیادہ نہ ہو۔ دوسرا نکتہ بھی صرف ایک مختصر جملے میں لکھا جائے جس میں الفاظ کی تعداد 10 سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرح ایک اشارے کے تحت دو نکات بیس الفاظ میں لکھے جا سکتے ہیں۔
9. اگر ہر اشارے کے تحت دو دو نکات دو دو جملوں میں لکھے جائیں تو مکمل خلاصہ 5 اشاروں میں 100 الفاظ پر مبنی ہو سکتا ہے اور اگر املاء کی کوئی غلطی نہ ہو تو مکمل 10 نمبر بھی مل سکتے ہیں۔

خلاصہ نویسی کا طریقہ

1۔ عبارت کو غور سے پڑھیں۔

اگر سفر کی تکالیف کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ دوزخ ہے۔ لیکن اس کے فوائد پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ کامیابی و فتح کا ایک وسیلہ نظر آتا ہے۔ سیر وسیاحت سے انسانی عقل اور سوجھ بوجھ میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے انسان بہت سا علم اور تجربہ حاصل کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فوائد کے مقابلے میں انسان اپنی تکالیف کو بھول جاتا ہے۔

گھر سے دوری اور عزیز و اقارب کی جدائی اور مالی نقصان کا خوف بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات نہایت بد مزاج اور غیر مہذب لوگوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔ موسم کی شدت بھی گوارا کرنی پڑتی ہے۔ بڑے خطرناک راستوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

موجودہ سائنسی دور میں ایسی مشکلات ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ آج کل سفر بہت آسان ہو گیا ہے۔ سفر کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے انسانی قوت ارادی میں استقلال پیدا ہوتا ہے اور محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے۔ تجربہ وسیع ہوتا ہے۔ مختلف اقوام اور ممالک کے تہذیب و تمدن اور طرزِ معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ غیر ممالک میں مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مختلف قسم کے افراد سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ یہی تجربات ملکی اور قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں۔

سیر وسیاحت انسان کی بہترین معلم ہے۔ ملک کی ترقی اور بہتری کے لیے وفد بھیجے جاتے ہیں جو اس ملک کی صنعت و حرفت کی ترقی اور معاشی بہبود کی سکیموں کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اپنے ملک میں آکر انہی اسکیموں پر عمل درآمد کرتے ہیں۔

سیاحت اور سفر کی بدولت ہمارے تجربات اور مشاہدات میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں دوسرے ملکوں کی اصلی صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔ سفر سے انسان کو بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ سفر سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ اگر وہ صاحب کمال ہے تو گھر سے باہر نکل کر اس کے جوہر اور بھی کھلتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ موتی جب تک سیپ میں اور ہیرا جب تک کان میں بند رہتا ہے، اس کی کچھ بھی قدر نہیں ہوتی لیکن جب وہ جوہری کی دکان میں آتا ہے تو قدر شناس اس کی خریداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

یہ سفر کرنے کی برکت ہے جو انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور سماج میں اسے عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس میں خود اعتمادی اور مستقل مزاجی پیدا ہوتی ہے۔

2۔ عبارت کے تحت دیے گئے اشارات کو غور سے پڑھیں۔

1) تعلیمی اضافہ۔ 2) خدشات۔ 3) سفر وسیلہ ظفر۔ 4) فوائد۔ 5) تجربات

3۔ ہر اشارے کا مفہوم عبارت میں تلاش کر کے نشاندہی کریں۔

اگر سفر کی تکالیف کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ دوزخ ہے۔ لیکن اس کے فوائد پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ کامیابی و فتح کا ایک وسیلہ نظر آتا ہے۔ **سیر وسیاحت سے انسانی عقل اور سوجھ بوجھ میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے انسان بہت سا علم اور تجربہ حاصل کرتا ہے۔** سچ تو یہ ہے کہ فوائد کے مقابلے میں انسان اپنی تکالیف کو بھول جاتا ہے۔

گھر سے دوری اور عزیز و اقارب کی جدائی اور مالی نقصان کا خوف بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات نہایت بد مزاج اور غیر مہذب لوگوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔ موسم کی شدت بھی گوارا کرنی پڑتی ہے۔ بڑے خطرناک راستوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

موجودہ سائنسی دور میں ایسی مشکلات ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ آج کل سفر بہت آسان ہو گیا ہے۔ **سفر کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے انسانی قوت ارادی میں استقلال پیدا ہوتا ہے اور محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے۔ تجربہ وسیع ہوتا ہے۔ مختلف اقوام اور ممالک کے تہذیب و تمدن اور طرزِ معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ غیر ممالک میں مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مختلف قسم کے افراد سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ یہی تجربات ملکی اور قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں۔**

سیر و سیاحت انسان کی بہترین معلم ہے۔ ملک کی ترقی اور بہتری کے لیے وفد بھیجے جاتے ہیں جو اس ملک کی صنعت و حرفت کی ترقی اور معاشی بہبود کی سکیموں کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اپنے ملک میں آکر انہی اسکیموں پر عمل درآمد کرتے ہیں۔

سیاحت اور سفر کی بدولت ہمارے تجربات اور مشاہدات میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں دوسرے ملکوں کی اصلی صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔ سفر سے انسان کو بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ سفر سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ اگر وہ صاحبِ کمال ہے تو گھر سے باہر نکل کر اس کے جوہر اور بھی کھلتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ موتی جب تک سیپ میں اور ہیرا جب تک کان میں بند رہتا ہے، اس کی کچھ بھی قدر نہیں ہوتی لیکن جب وہ جوہری کی دکان میں آتا ہے تو قدر شناس اس کی خریداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

یہ سفر کرنے کی برکت ہے جو انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور سماج میں اسے عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس میں خود اعتمادی اور مستقل مزاجی پیدا ہوتی ہے۔

4۔ پہلے اشارے کا مفہوم رف صفحے پر لکھیں۔

تعلیمی اضافہ:۔ سیر و سیاحت سے انسانی عقل اور سوجھ بوجھ میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے انسان بہت سا علم اور تجربہ حاصل کرتا ہے۔

5۔ اس مفہوم کو اب اپنے الفاظ میں لکھیں۔ لکھتے ہوئے کوشش کریں کہ الفاظ کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہو۔

تعلیمی اضافہ:۔ سفر سے انسان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور اس علم کے ذریعے اس کا فہم وسیع ہوتا ہے۔

6۔ اسی طرح ہر اشارے کا خلاصہ لکھیں۔

خدشات: گھر سے دوری اور عزیز و اقارب کی جدائی اور مالی نقصان کا خوف بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات نہایت بد مزاج اور غیر مہذب لوگوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔ موسم کی شدت بھی گوارا کرنی پڑتی ہے۔ بڑے خطرناک راستوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔

خلاصہ: البتہ سفر میں سخت اور شدید موسموں سے واسطہ پڑتا ہے اور گھر سے دوری کے علاوہ بعض اوقات بد تمیز لوگوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

سفر وسیلہ ظفر:۔ مختلف اقوام اور ممالک کے تہذیب و تمدن اور طرزِ معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ غیر ممالک میں مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مختلف قسم کے افراد سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ یہی تجربات ملکی اور قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں۔

خلاصہ: مختلف قسم کے افراد سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ یہی تجربات ملکی اور قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں۔

فوائد:۔ سفر کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے انسانی قوت ارادی میں استقلال پیدا ہوتا ہے اور محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے۔ تجربہ وسیع ہوتا ہے۔

خلاصہ:۔ سفر سے انسانی قوت ارادی میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور انسان کو محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے۔

تجربات:۔ یاحت اور سفر کی بدولت ہمارے تجربات اور مشاہدات میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں دوسرے ملکوں کی اصلی صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔ ملک کی ترقی اور بہتری کے لیے وفد بھیجے جاتے ہیں جو اس ملک کی صنعت و حرفت کی ترقی اور معاشی بہبود کی سکیموں کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اپنے ملک میں آکر انہی اسکیموں پر عمل درآمد کرتے ہیں۔

خلاصہ: سفر سے انسان کو مختلف اقوام اور مذاہب کے لوگوں سے ملاقات کا موقع ملتا ہے جس سے ان کے تجربات سے آگاہی ہوتی ہے اس سے انسانی تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے

اسی طرح خلاصہ نگاری کے لیے دی گئی تمام عبارتوں کا خلاصہ تحریر کریں۔

ہم نے اس کتاب میں تمام عبارتوں کی تلخیص نہیں کی کیونکہ یہ سوال طلبہ سے مسلسل مشق کا متقاضی ہے اور طلبہ اس مشق سے بار بار گزرنے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ امتحان میں آنے والی عبارت کا خلاصہ باآسانی تحریر کر سکیں۔

انسانی زندگی پر علم کے اثرات

علم ہی کی برکت ہے کہ آج ہم ہواؤں میں اڑ سکتے ہیں۔ آگ کے شعلوں میں محفوظ رہ سکتے ہیں اور سمندری سطح کے نیچے سفر کر سکتے ہیں۔ یہ اسی علم کا کرشمہ ہے کہ آج انسان خلا کی وسعتوں پر حاوی ہے اور وہی مظاہرِ فطرت جن کو کبھی وہ دیوتا سمجھ کر پوجتا تھا، آج اس کی خاکِ راہ کے ذرے ہیں۔ انسان نے علم سے کام لے کر اپنے آرام و آسائش کے لیے سینکڑوں سامان پیدا کیے ہیں۔ اس نے ایسی شان دار عمارات تعمیر کی ہیں جو رفعت میں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، انسان نے سفر کی تکلیف ختم کرنے کے لیے علم کی بدولت ریل گاڑی بنائی۔ پھر اس نے موٹر کار اور ہوائی جہاز بنائے اور جیٹ طیاروں اور راکٹوں میں سفر کیا۔ ٹیلیفون اور ریڈیو سے وائرلیس اور ٹیلیویژن تک، ٹائپ رائٹر سے لے کر چھاپہ خانے اور ٹیلی پرنٹر تک، خوردبین اور دوربین سے لے کر رصد گاہوں تک وسیع نظام تک ایجادات اور انکشافات کا ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جو صرف اور صرف علم کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ علم کی بدولت یہ کمزور اور بے بس انسان جو بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے سہم جاتا تھا آج بجلی کو اپنے قابو میں لا چکا ہے۔ بجلی اس کے گھر کی ایک ادنیٰ کنیز بن گئی ہے جو اس کے ایک معمولی اشارے پر ہر خدمت کے لیے حاضر رہتی ہے۔ وہ اس کے کارخانے چلاتی ہے، اس کے گھر کو بقعۂ نور (کثیر رنگوں والی روشنی) بناتی ہے، اس کا کھانا پکاتی ہے، اس کا لباس تیار کرتی ہے، اسے گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتی ہے اور اس کی تفریح کے سینکڑوں سامان مہیا کرتی ہے۔ یہ علم ہی کی بدولت ہے کہ انسان نے زمین کے نیچے دبے ہوئے قدرتی دفینوں کو نکالا اور انہیں حسبِ ضرورت استعمال کیا۔ علم ہی کی برکت سے انسان نے سورج، چاند اور ستاروں کی بناوٹ اور بلندی معلوم کر لی۔ علم ایک ایسا نور ہے جس سے جہالت اور گمراہی کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ علم سے انسان کی چشمِ بصیرت روشن ہو جاتی ہے جس سے وہ نیکی اور بدی، حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ علم ایک ایسا خزانہ ہے جسے کوئی چور چرا نہیں سکتا اور جسے جتنا زیادہ خرچ کیا جائے اتنا ہی بڑھتا ہے۔ علم ایک ایسا جوہرِ بے بہا ہے جو عقل کے لیے صقیل کا کام دیتا ہے۔ علم سے اطوار اور شائستہ اور اخلاق پاکیزہ بن جاتے ہیں۔ وہ دل و دماغ کو جہالت کے مہیب اندھیرے سے نکال کر اس عالم میں پہنچاتا ہے جہاں حسد و بغض، دشمنی و عداوت اور حرص و لالچ کا گزر تک نہیں ہوتا۔ یہ علم ہی کی برکت ہے جو انسان کو ایک مکمل انسان بنا دیتا ہے اور جس کے بل بوتے پر معاشرے میں ہر کوئی شخص بہرہ ور ہو کر زندگی کی معراج حاصل کر کے اسے پر وقار اور متوازن بنا سکتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2004)

اشارات:۔ علم کے کرشمے۔ ایجادات و انکشافات۔ بجلی بطور ادنیٰ کنیز۔ علم بطور خزانہ۔ مضمون کا نچوڑ

گداگری

کسی سے کچھ مانگنا اور اس کے عوض اس کی جائز خدمت نہ کرنا گداگری کہلاتا ہے۔ گداگری کی سینکڑوں صورتیں ہیں اور گداگروں کے بیسیوں طبقے ہیں۔ کوئی فریاد کر کے مانگتا پھرتا ہے۔ کوئی گانا بجا کر تو کوئی پردیسی ہونے کا ڈھونگ رچا کر پیسے بٹورتا ہے۔ اکثر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا بہانہ بنا کر دروازے کھٹکھٹاتے ہیں اور جو ملتا ہے، لے کر رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ الغرض ہر گداگر نے اپنی سمجھ اور اہلیت کے مطابق کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ان مانگنے والوں میں بعض پیشہ ور ہیں اور بعض مجبور۔ حالات کی ستم ظریفی کبھی کبھی بڑے بڑے خودداروں کو بھی ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جو لوگ جسمانی یا ذہنی طور پر روزی کمانے کے قابل نہ ہوں یا جنہیں ایسے ذرائع دستیاب نہ ہو سکتے ہوں کہ وہ پیٹ کا دوزخ بھر سکیں، انہیں معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا اتنا قصور نہیں ہوتا جتنا اس معاشرے کا ہوتا ہے جو انہیں گداگر بننے پر مجبور کر دیتا ہے اور ان کی مناسب امداد اور دستگیری نہیں کرتا۔ حکومت اس صورت میں قصوروار ٹھہرتی ہے جب وہ محتاج خانے نہیں کھولتی یا بے کار لوگوں کے لیے روزگار مہیا نہیں کرتی۔ ان کے اپنے رشتے داروں اور دونوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ مذہب اسلام نے ایسے ہی افراد کے لیے زکوٰۃ کا اہتمام کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اپنی حلال کمائی سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دیا کرو۔ جو لوگ گداگری کو تن آسانی کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں یا جنہیں یہ پیشہ وراثت کے طور پر ملتا ہے اور وہ جسمانی طور پر اس قابل ہوتے ہیں کہ کام کر کے روٹی کما سکیں، ان کی مدد کرنا گداگری پھیلانے کے مترادف ہے۔ تاہم ایسے لوگوں کے ساتھ بات کرتے وقت یا انکار کرتے وقت نرمی سے کام لینا چاہیے اور انہیں مناسب دلائل کے ساتھ اس قبیح فعل سے روکنا چاہیے۔ گداگروں کی بڑھتی ہوئی تعداد ملک اور قوم کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ دوسروں کی محنت سے کمائی ہوئی آمدنی میں سے مفت حصہ پا کر اکثر گداگر عیاشی کرتے ہیں، طرح طرح کے نشوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے بلکہ قوم کے افراد کے لیے ایک مستقل اور ناقابلِ برداشت بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ (مئی، جون:2005)

اشارات:۔ گداگری کی اقسام۔ گداگری کے اسباب۔ اسلام کا نقطہ نظر۔ گداگری کے اثرات۔ گداگری کا انسداد

وطن سے محبت

جس سرزمین پر انسان پیدا ہوتا ہے، اپنی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، جہاں کسی شخص کے عزیز و اقارب بستے ہیں، جہاں اس کی پسندیدہ اور محبوب چیزیں ہوتی ہیں اور جہاں اس کا دل لگا ہوتا ہے، وہ سرزمین اس کا وطن کہلاتی ہے۔ انسانی محبت کی بیسیوں صورتیں ہیں۔ ان میں وطن کی محبت کا جذبہ ہمیشہ باوقار سمجھا گیا ہے۔ اس جذبے کے زیر اثر انسانوں نے ہزاروں دفعہ اپنی جان پر کھیل کر وطن کو دشمنوں سے بچایا ہے۔ جو لوگ وطن کی محبت سے عاری ہوتے ہیں یا وطن سے غداری کرتے ہیں انھیں کبھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا گیا۔ بلکہ دلوں میں ان کے خلاف ہمیشہ نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ وطن کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں، ان کی یادگاریں تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے تاکہ یہ مقدس جذبہ ہر کسی کی نظر میں قابلِ احترام سمجھا جائے۔ اسی جذبے کے زیر اثر زندہ قوموں کے افراد اپنے وطن کی چیزوں کو دوسرے ملک کی چیزوں کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں اور انھیں اپنے وطن کی ہر چیز سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ اگر غلط رنگ اختیار کر جائے تو خطرناک بھی ثابت ہوتا ہے۔ جب انسان مختلف وطنوں کی صورت میں تقسیم ہو جاتے ہیں تو ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک کے باشندوں پر برتری حاصل کرنے کے لیے ہر جائز اور ناجائز ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس وقت ان میں انسان دوستی کا جذبہ مفقود ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ درندوں سے بھی بدتر حرکات پر اتر آتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اپنے وطن سے محبت کرنا ضروری ہے لیکن اسے بت بنا کر پوجا نہیں کرنی چاہیے۔ مغربی طرز کی حب الوطنی اختیار کرنے سے اسلامی بھائی چارے کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور مخلوق خدا اور اقوام میں بٹ کر تباہ ہو جاتی ہے۔ اس جذبے کی شدت طاقت ور قوموں کو کمزور قوموں کے مٹانے پر اکساتی ہے اور دنیا بدامنی کا میدان بن جاتی ہے۔ یہ جذبہ اعتدال پر رہے تو انسانیت کو جنم دیتا ہے (اکتوبر، نومبر: 2005)

اشارات:۔ ارضِ وطن۔ حب الوطنی۔ قومی برتری۔ مسلمانوں کا نقطہ نظر۔ مغربی نظریہ

خوشامد

خوشامد پسندی بہت بڑی علت ہے اور انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ خوشامد اور خوشامد پسند دونوں ہی اخلاقی کمزوری کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ انسان کا کردار سنوارنے کی بجائے بگاڑتی ہے اور خود میں اصلاح کی صلاحیت ختم کرتی ہے اور اس سے نالائقی اور کم ظرفی پیدا ہوتی ہے۔ انسان اپنی تعریف سن کر اسے سچ سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ بات اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ خوشامد پسندی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم میں وہ اچھائیاں نہیں ہوتیں جن کی ہمیں چاہ ہوتی ہے۔ ہم لاشعوری طور پر ان اچھائیوں کی تمنا رکھتے ہیں جو ہم میں نہیں ہوتیں۔ اس صورت میں جب خوشامدی حضرات ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں تو ہم اپنی جھوٹی تعریف سن کر بے حد مسرور ہوتے ہیں حالانکہ صحیح معنوں میں ہم ان تعریفوں کے لائق نہیں ہوتے۔ البتہ کسی اچھے انسان کی حقیقی اچھائیوں کی صحیح تعریف ضرور کرنی چاہیے۔ اس سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور تعریف کرنے والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک اچھے دوست کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ نہ صرف آپ کو خوبیوں بلکہ خامیوں سے بھی آگاہ کرے۔ کئی حضرات دوسروں کی امارت، دھن دولت، شہرت اور رتبے سے متاثر ہو کر خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کبھی تو وہ عادت سے مجبور ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ذاتی مفاد کے لیے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ وہ کام بن جائے جس کے وہ اہل نہیں۔ ایسی صورت میں حقدار کی حق تلفی ہوتی ہے۔ (مئی، جون:2006)

اشارات:۔ خوشامد ایک علت۔ خوشامد پسندی کی وجوہات۔ معاشرے پر اثرات۔ خوشامد اور تعریف میں فرق۔ دوست کی پہچان

فٹ بال

یہ کوئی نہیں جانتا کہ فٹ بال کب اور کیسے وجود میں آیا لیکن سبھی جانتے ہیں کہ آج یہ دنیا کا مقبول ترین کھیل ہے۔ انگریز خصوصاً اس کھیل کے دیوانے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں کیمبرج یونیورسٹی نے اس کے اصولوں کی بنیاد ڈالی جسے باقیوں نے اپنایا۔ بعد ازاں 1863 میں فری منز نے اصولوں کی ایک فہرست تیار کی جس کی بنا پر فٹ بال ایسوسی ایشن وجود میں آئی۔ شروع میں فٹ بال متوسط طبقے کا کھیل سمجھا جاتا تھا اور کھلاڑی اتنے منجھے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ پہلا مقابلہ اوول (OVAL) کے میدان میں دو ہزار تماشائیوں کے سامنے ہوا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ برطانیہ کا مقبول ترین کھیل بن گیا اور چھٹی کی دوپہر لوگ فٹ بال کے میدان میں گزارنے لگے۔ فٹ بال کا جنون دن بدن بڑھتا چلا گیا اور ساتھ میں مختلف ٹیموں کے حمایتیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ کھیل جو پہلے وقت گزارنے کا اچھا اور پر سکون ذریعہ تھا، اب میدانِ جنگ بنتا جارہا تھا۔ مختلف ٹیموں کے حمایتی نہ صرف اپنی ہار بلکہ جیت پر بھی اتنے جوش میں آجاتے ہیں کہ کھیل کا میدان اکھاڑہ لگنے لگتا ہے۔ ان ہنگاموں کو روکنے اور ان پر قابو پانے کے لیے بعض اوقات تماشائیوں جتنی پولیس درکار ہوتی ہے جس سے حکومت کو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برطانیہ کے شائقین اپنے جارحانہ اور غلط رویے کی بنا پر پوری دنیا میں بدنام ہو چکے ہیں۔ ہار جیت کو اپنی انا کا مسئلہ بنانا اور کھیل کے میدان میں شراب نوشی کا کھلا استعمال اس رویے کے ذمہ دار ہیں۔ یورپین پارلیمنٹ نے ایک حالیہ بیان میں پورے یورپ میں ہونے والے مقابلوں کے درمیان شراب پر پابندی لگانے کی تجویز پیش کی ہے۔ اس کے برعکس کرکٹ ایک پر سکون کھیل ہے۔ ون ڈے میچوں کے علاوہ پانچ پانچ دن تک ٹیسٹ جاری رہتے ہیں جو ایک طرح تماشائیوں کے صبر و تحمل کا امتحان ہے۔ باوجود ترقی پانے کے فٹ بال کے کھلاڑیوں کی طرح کرکٹ کے نامور کھلاڑی اتنی جلدی کروڑ پتی نہیں بن سکتے۔ (اکتوبر، نومبر: 2006)

اشارات:۔ فٹ بال کا آغاز۔ کھیل یا جنگ۔ فساد کی وجوہات۔ فسادات کا حل۔ کرکٹ اور فٹ بال کا موازنہ

مرچ

برصغیر پاک وہند کے علاقوں میں مرچ کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔اس کی 90 اقسام ہیں۔یہ مختلف شکلوں میں دستیاب ہے۔موٹی، لمبی یا گول طرز کی۔اس کی تیزی بھی قسموں کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہوتی ہے۔چھوٹی مرچ زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔پاکستان کے علاقے تھرپارکر میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔اس کی تمام اقسام امریکہ میں پائی جاتی ہیں۔وہاں کے اصل باشندے مرچ کو اپنے کھانے میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ ہزار سال پہلے سے استعمال کر رہے ہیں۔1611ء میں پرتگیزوں نے اسے جنوبی امریکہ سے ہندوستان میں متعارف کرایا۔اس کے بغیر ذائقے دار لذیذ کھانوں کا تصور بھی ناممکن ہے۔کہا جاتا ہے کہ شاہ جہان کے عہد میں جمنا سے نہر نکال کر جب دہلی لائی گئی تو اسے شہریوں کی صحت کے لیے نقصان دہ قرار دیا گیا اور یہ مشورہ دیا گیا کہ کھانے میں سرخ مرچ کا استعمال زیادہ کر دیا جائے تا کہ نزلہ زکام بہہ کر ریشہ خارج ہو جائے۔چین اور جنوبی امریکہ میں اس کا استعمال عام ہے۔یہاں کے لوگوں کے پھیپھڑے مرچ کا استعمال نہ کرنے والے لوگوں کی بہ نسبت صاف رہتے ہیں۔یہ دورانِ خون کو بڑھاتی ہے جس سے پسینہ آتا ہے اور گرم ملکوں میں یہ گرمی کا اثر کم کرتی ہے۔اس سے موٹاپا بھی کم ہوتا ہے۔سردیوں میں بھی نزلے زکام سے نجات پانے کے لیے دہلی کے رہنے والے تیز مرچوں والی نہاری کھاتے ہیں۔سنا گیا ہے کہ درد یا چوٹ کے مقام پر (زخم پر نہیں!) سرخ مرچ کا لیپ کر کے سینکنے سے اس کا درد کم ہو جاتا ہے۔جلن تو ہوتی ہے لیکن درد کی ٹیسیں کم ہو جاتی ہیں۔مغربی ممالک میں زیادہ تر کالی مرچ کا استعمال ہوتا ہے۔اکثریت سرخ مرچ استعمال کرنے سے پرہیز کرتی ہے۔ان کے خیال میں اس کا استعمال معدے کا السر پیدا کرتا ہے اور یہ بواسیر کا باعث بھی بنتی ہے۔(مئی،جون:2007)

اشارات:۔اقسام۔آغاز۔ہندوستان میں استعمال۔علاج۔مغربی نقطہ نظر

دیغ

پاکستان کے شمال مغربی علاقوں میں 'دیغ' مذہبی اور معاشرتی اہمیت کی حامل ہے۔ دیغ اس برتن کو بھی کہتے ہیں جس میں کھانا پکایا جائے اور اس تقریب کو بھی کہتے ہیں جو بڑے پیمانے پر کھانا بنانے اور کھلانے کا سبب بنے۔ ان علاقوں میں رہنے والے لوگ مختلف وجوہات کی بنا پر دیغ کا اہتمام کرتے ہیں۔ بعض طلبِ حاجت کے لیے، بعض بیماری سے شفا پانے کے لیے، بعض حاجت کے بر آنے پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے اور بعض حج کے واپسی کی خوشی میں دیغ پکواتے ہیں۔ گاؤں والے اپنی حیثیت کے مطابق اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ عموماً چار سے دس دیغیں بنوائی جاتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر پکوانے کے لیے آس پاس کے گاؤں سے مشہور اور ماہر باورچی بلائے جاتے ہیں اور باورچیوں کا نام اور شہرت ہی دیغ کی کامیابی کے ضامن سمجھے جاتے ہیں۔ دیغیں کھلے میدان میں بنتی ہیں اس لیے عورتیں کسی تیاری یا پکانے میں کوئی حصہ نہیں لیتی ہیں۔ تیاریاں مکمل ہونے کے بعد پکوان شروع ہونے سے پہلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ حافظِ قرآن تلاوت کے ساتھ آغاز کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ پکوانے والے کے عزیز و اقارب مدد کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ گاؤں کے مرد اور بچے کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ عام لوگ زمین پر گروہ کی شکل میں بیٹھ کر کھانے کا انتظار کرتے ہیں جب کہ گاؤں کے امراء کرسیوں یا چار پائیوں پر بٹھائے جاتے ہیں۔ کھانے کی ابتداء بھی ان سے ہی ہوتی ہے، پھر زمین پر بیٹھے ہوئے مردوں اور بچوں کی باری آتی ہے۔ عموماً تین چار لوگ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھاتے ہیں۔ عورتیں گھروں میں ہی رہتی ہیں اور ان کے لیے بچے تھیلیوں میں کھانا لے جاتے ہیں۔ بیماروں اور اپاہج لوگوں کو بھی کھانا گھر پر پہنچایا جاتا ہے۔ مسافروں اور گاؤں سے گزرنے والے لوگوں کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ صاحبِ خانہ مہمانوں کے بعد کھاتا ہے اور ایک الگ چارپائی پر بیٹھ کر باورچیوں کو ہدایات دیتا ہے۔ ان علاقوں میں چونکہ چاول زیادہ نہیں پایا جاتا اس لیے عموماً شادی بیاہ پر بنائے جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر دیہاتیوں کی عید ہو جاتی ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2007)

اشارات:۔ دیغ کے معانی۔ وجوہات۔ دیغ کی کامیابی کا راز۔ حیثیت و اہتمام۔ خواتین کا کردار

لسی

اب سے کچھ عرصہ قبل تک پاکستان کے پسندیدہ مشروبات میں لسی کا نام سر فہرست ہوا کرتا تھا لیکن اب اس کی جگہ کافی، چائے اور کوکا کولا جیسی چیزوں نے لے لی ہے۔ جس زمانے میں لسی کا استعمال عام اور رہن سہن سادہ تھا، لوگ دراز قد، صحت مند اور توانا ہوا کرتے تھے۔ اب جسم سکڑ کر رہ گئے ہیں۔ توانائی اور صحت کی جگہ جسمانی کمزوری نے اور دراز قامتی کی جگہ کوتاہ قامتی نے لے لی ہے۔ لسی نا صرف فرحت بخش مشروب ہے بلکہ ایک ایسی غذا ہے جو صحت و توانائی کو بر قرار رکھتی ہے۔ یہ دودھ کو بلو کر تیار کی جاتی ہے۔ اسے چھاچھ بھی کہتے ہیں۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہے:۔ ایک مکھن نکالی ہوئی اور دوسری مکھن کے ساتھ۔ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یونانی طبیب اس کو جگر، معدہ اور خون کی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے بکثرت استعمال کرتے تھے۔ یورپ کے سائنس دانوں کی تحقیقات کے مطابق لسی پینے والے پیٹ اور آنتوں کی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آنتوں کے اکثر جراثیم جو بڑھ کر مہلک ثابت ہو سکتے ہیں، لسی ان کی بڑھتی ہوئی تعداد پر قابو پا کر محفوظ رکھتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لمبی عمر کا انحصار جہاں پھل، سبزیوں، جسمانی مشقت اور سادہ رہن سہن پر ہے وہاں لسی کا بھی اتنا ہی عمل دخل ہے۔ صوبہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے اپنی جسامت، تندرستی، توانائی اور لمبی عمر کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں شہرت رکھتے ہیں۔ چند سال قبل پاکستان کے لوگوں کی تندرستی اور عمر کا ان کی غذا کے اثرات پر جائزہ لینے ایک وفد یورپ سے پاکستان آیا تھا۔ تحقیقات کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ لسی کا استعمال صحت کو اچھا رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی تیزابی خصوصیات دماغی قوت بڑھانے، اعصاب کو مضبوط رکھنے اور بالوں کو قبل از وقت سفید ہونے سے روکتی ہیں۔ (مئی، جون:2008)

اشارات:۔ تاریخ۔ رجحان۔ موجودہ رجحان۔ فوائد۔ یورپ کا نقطہ نظر

کیلا

کیلا ایک ایسا پھل ہے جو دنیا کے ہر خطے میں یکساں مقبول ہے۔ اس کا درخت 8 سے 18 فٹ تک لمبا ہوتا ہے اور تنا دوسرے درختوں کی طرح لکڑی کی مانند سخت نہیں ہوتا۔ اس میں پتوں کے علاوہ کوئی شاخ نہیں ہوتی۔ اس کی کئی اقسام ہیں۔ بعض بڑے اور بعض چھوٹے ہوتے ہیں۔ بعض میں بیج ہوتے ہیں اور بعض میں بالکل نہیں ہوتے۔ رنگت میں کچھ پیلے، کچھ ہرے اور کچھ لال ہوتے ہیں۔ کیلا غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس میں کیلشیم ، میگنی شیم، فاسفورس، گندھک، فولاد اور آئیوڈین خاصی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اس میں پروٹین اور چربی کم ہوتی ہے جب کہ نشاستہ کافی مقدار میں موجود ہوتا ہے جو جسم کو توانائی دیتا ہے۔ طبی لحاظ سے کیلا کئی خوبیوں کا حامل ہے اور کئی امراض کے لیے مفید ہے۔ خصوصاً پیچش کے لیے۔ اس کے درخت کے تمام حصے دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:۔ کیلے کی جڑ، پھلیاں اور پتے وغیرہ۔ کھانسی خواہ خشک ہو یا بلغمی، کہتے ہیں کہ اس کے خشک پتے کو جلا کر تھوڑا سا نمک ملا کر چٹانے سے دور ہو جاتی ہے۔ قدیم زمانے سے خواتین رنگ کو نکھارنے اور داغ دھبے دور کرنے کے لیے اسکے گودے میں خربوزوں کے بیج پیس کر چہرے پر لیپ کرتی رہی ہیں۔ سانپ کے زہر کو زائل کرنے کے لیے پرانے زمانے میں حکیم درخت کے تنے کا رس نکال کر فوراً مریض کو پلا دیا کرتے تھے جس سے زہر کا اثر زائل ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ طبی علم کے مطابق سانپ کیلے کے درخت کے قریب نہیں جاتے سوائے ایک خاص قسم کے سانپ کے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں سانپ کا زہر ختم کرنے کا کوئی جزو موجود ہے۔ آج کل کیلے کے درخت میں ایک ایسی بیماری پیدا ہو رہی ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ مستقبل میں ناپید نہ ہو جائے۔ (اکتوبر، نومبر: 2008)

اشارات:۔ بناوٹ / ساخت۔ غذائیت۔ بطور دوا۔ جلد کا نکھار۔ کیلے کا مستقبل

کرکٹ

یہ کوئی نہیں جانتا کہ کرکٹ کب اور کہاں شروع ہوا لیکن تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ انگلینڈ کے علاقے کینٹ کے گرد و نواح میں جہاں گھنے جنگلات ہیں، بچوں کے کھیل کے طور پر شروع ہوا۔ کئی صدیوں بعد بڑوں نے بھی اسے اپنایا۔ کچھ لوگ اس کھیل کو انڈیا سے منسوب کرتے ہیں ۔کہا جاتا ہے کہ یہ انڈیا سے ایران اور پھر تاجروں کے ذریعے انگلینڈ پہنچا اور بطور کھیل پھلا پھولا۔ 1648 میں یہ پرائیویٹ اسکولوں میں پروان چڑھا اور کچھ سالوں بعد سٹے بازی کا کھیل بن گیا۔ لوگوں نے اس کی ہار جیت پر پیسے لگانا شروع کئے اور اخبارات میں بھی اس کے نتائج چھپنے لگے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک ویلج کرکٹ کی بنیاد پڑ چکی تھی لیکن کاونٹی کرکٹ کا وجود نہیں تھا اور نہ ہی حکومت کی طرف سے اس کھیل کے لیے مالی امداد فراہم کی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ کھیل ترقی کرتا گیا۔ بالنگ اوور شروع میں چار اور پھر پانچ گیندوں کے ہوا کرتے تھے جو بعد میں چھ گیند کے ہو گئے۔ ایک وقت میں آٹھ گیندوں کے اوور کا تجربہ بھی کیا گیا جو ناکام رہا۔ کرکٹ کی مقبولیت ریلوے کے شروع ہونے سے اور بڑھ گئی۔ ٹیمیں دور دراز کے شہروں میں دورہ کرنے لگیں اور تماشائی بھی سفر کی سہولت کی وجہ سے بڑی تعداد میں میچ دیکھنے جانے لگے۔ آج کرکٹ کے شائقین تقریبا ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد انڈیا، پاکستان اور ویسٹ انڈیز میں پائی جاتی ہے۔ کرکٹ کی ٹیموں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اب یہ رات کے وقت بھی کھیلا جس سکتا ہے اور ٹیسٹ میچوں کے علاوہ ون ڈے میچ بھی سارا سال کھیلے جاتے ہیں۔ (مئی، جون:2009)

اشارات:۔ آغاز۔ ترقی۔ بولنگ کے اصول۔ پھیلنے کی وجوہات۔ موجودہ صورت حال

اردو زبان

اردو کئی زبانوں کا مجموعہ ہے جن میں عربی اور سنسکرت پیش پیش ہیں۔ یہ پاکستان کی قومی زبان ہے اور اس میں نثر، شاعری اور ہر طرح کے ادب کا عمل دخل ہے۔ اردو زبان پر عبور ہونے سے مقامی طور پر رابطہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے لیکن بین الاقوامی سطح پر کامیابی کے لیے دوسری زبانوں کا سیکھنا لازمی ہے۔ اسی لیے پاکستان میں اسکولوں کے بعد کالجوں میں بھی انگریزی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے اتنی اہمیت دینے کی وجہ سے اردو کافی حد تک پس منظر میں چلی گئی ہے۔ انگریزی اسکولوں میں اردو کے علاوہ باقی تمام مضامین انگریزی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔

اردو زبان آج بھی ناول، شاعری اور ہر طرح کے ادب میں زندہ ہے، چاہے وہ رسالے ہوں یا پھر اخبارات۔ پاکستان میں اسکولوں کی تعلیم مکمل ہونے تک یہ پڑھائی جاتی ہے۔ اردو کے بڑے مشہور شاعروں میں علامہ اقبال نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال جنہیں شاعرِ مشرق کا خطاب ملا ہے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ تمام دنیا میں آج بھی ان کے فلسفیانہ کلام کے چرچے ہیں۔

اردو آج کئی ملکوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ برطانیہ کے کئی اسکولوں نے اسے اپنے نصاب میں شامل کر لیا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں کافی ادبی پروگرام جیسے کہ مشاعرے وغیرہ منعقد ہوتے ہیں۔ طلباء لندن یونیورسٹی سے بی۔اے، ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی لے سکتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2009)

اشارات:۔ زبانوں کا مجموعہ۔ اردو کا مقام۔ انگریزی کا اثر۔ اردو شاعری۔ برطانیہ میں اردو

سانپ

سانپ کو کئی مذاہب میں مقدس مانا جاتا ہے۔عام عقیدہ ہے کہ سانپ خزانوں اور مقدس مقامات کی حفاظت کرتا ہے۔بدھ مت کے مطابق گوتم بدھ جب خدا سے لولگائے آنے والے طوفان سے بے خبر ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے اس وقت ایک سانپ نے ان کے ارد گرد حصار باندھ کر انہیں خطرے سے محفوظ رکھا۔کچھ مذاہب میں سانپ دھوکا، فریب اور شیطانی خصلت سے منسلک کیا جاتا ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سانپ بدلہ لینا نہیں بھولتا۔سانپ کی کئی اقسام ہیں۔کچھ زہریلے اور کچھ بے ضرر ہوتے ہیں۔اس کی چند اقسام پانی میں بھی پائی جاتی ہیں۔کچھ سانپ کئی گز لمبے ہوتے ہیں اور اپنے شکار کو کاٹنے کے بجائے جکڑ کر مارتے ہیں۔زہریلے سانپوں کی سب سے زیادہ اقسام آسٹریلیا میں پائی جاتی ہیں۔ان کا ڈسنا انسانوں کی فوری موت کا سبب بنتا ہے۔ان کا زہر اعصابی نظام کو مفلوج کر دیتا ہے۔صرف 110 ملی گرام زہر 100 لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔عجیب بات ہے کہ سانپ کے زہر کے توڑ کے لیے اس کا زہر بھی دوا میں شامل کیا جاتا ہے۔سپیروں کے کرتب آج بھی لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہیں۔سانپ آواز نہیں سن سکتے، صرف آواز کی لہروں کی حرکت کو محسوس کرتے ہیں۔سپیرے کی بین پر ٹوکری سے نکل کر پھن پھیلانا اور جھومنا سانپ کا خطرے کی صورت میں قدرتی عمل ہے جس کا مقصد دشمن کو خوف زدہ کر کے اپنے سے دور رکھنا ہے۔کئی سپیرے چھڑی کو سانپ میں بدلنے کا کرتب دکھا کر ناظرین کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔ایسے میں سانپ کا زہر پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔اس کے سر پر ایک خاص جگہ کو دبانے سے سانپ کا جسم چھڑی کی طرح سخت، سیدھا اور بے حرکت ہو جاتا ہے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے۔(مئی، جون:2010)

اشارات:۔عام عقیدہ۔اقسام۔زہر کے اثرات۔ڈسنے کا علاج۔بین کا جادو

گھوڑا

ایک اندازے کے مطابق گھوڑے چالیس سے پینتالیس کروڑ سال پہلے سے اس دنیا میں موجود ہیں۔ عمر اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کے قد اور جسامت میں کافی تبدیلی آگئی ہے۔ پہلے زمانے میں بڑے بڑے جنگجو اور ہنر مند قبیلے اپنے ہنر مند دوسروں تک پہنچانے سے قاصر تھے کیونکہ ان کے پاس گھوڑے جیسی تیز سواری نہیں تھی۔

عربی نسل کے گھوڑے اپنی جسامت اور رفتار کی وجہ سے بہترین سمجھے جاتے ہیں اور گھوڑ سواری اور گھوڑوں کی دور میں حصہ لینے کے لیے ان کی خاص قسمیں سدھائی جاتی ہیں۔ گھوڑے کے خواسِ خمسہ انسانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ وہ دس میل دور سے پانی کی موجودگی محسوس کر سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں کا دائرہ چہرے کے دونوں اطراف ہونے کے باعث کافی وسیع ہوتا ہے۔ گھوڑا کافی ذہین اور وفادار جانور ہے۔ کتا بھلے ہی انسان کا وفادار اور بہترین دوست مانا جاتا ہو لیکن گھوڑے کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ گھوڑے وسیع و عریض کھیتوں میں کھدائی کے لیے بھی استعمال ہوتے رہے ہیں۔ کچھ قسمیں گھوڑ دوڑ کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ کچھ سواری کے لیے تو کچھ پولو جیسے کھیل کے لیے۔ اس کے علاوہ موجودہ پولیس مجمع پر قابو پانے کے لیے گھوڑوں کا استعمال کرتی ہے تاکہ اونچائی سے ہر چیز پر بہتر نظر رکھی جا سکے۔ اس کے جسم کے حصے یعنی بال، ہڈیاں اور گوشت دوائیں بنانے کے کام آتے ہیں۔ گاؤں میں آج بھی دلہا گھوڑے پر سوار ہو کر دلھن بیاہنے جاتا ہے۔

وسطی ایشیا میں جنگلی گھوڑوں کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ لیکن اب انسانی آبادی کے بڑھنے اور ماحولیاتی تبدیلی کے باعث ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور مستقبل میں ان کا وجود ناپید ہوتا نظر آ رہا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2010)

اشارات:۔ ابتداء۔ خواسِ خمسہ۔ نسلیں / قسمیں۔ موجودہ استعمال۔ جنگلی گھوڑے

خواب

خواب کیا ہیں۔ ہم کیوں دیکھتے ہیں۔ سائنس ان سوالوں کا حتمی جواب دینے سے قاصر ہے۔ تحقیقات بہر حال جاری ہیں۔ ان تحقیقات کے مطابق یہ بات تو طے ہے کہ خواب ہمارے لیے ایک نعمت سے کم نہیں کیونکہ یہ ہمیں ذہنی آسودگی پہنچانے اور نفسیاتی مسائل کو دور رکھنے کے لیے بہت ضروری ہیں۔ تحقیقات کے مطابق ہماری نیند کے ایک سے دو گھنٹے خوابوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اس دوران ہمیں کم از کم تین چار خواب ضرور دیکھتے ہیں جن کا دورانیہ پندرہ سے بیس منٹ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیدائشی نابینا افراد بھی اس نعمت سے محروم نہیں ہیں البتہ ان کے خواب چھونے، چکھنے، ذائقہ اور آواز جیسے حواسِ خمسہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہم اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ سونے میں گزارتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہماری عمر کے چھ سال خواب دیکھنے میں گزر جاتے ہیں۔ کچھ عقائد کے مطابق خواب آنے والی خوشیوں یا آفات کی خبر دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں روم کے باشندے خوابوں کو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا پیغام سمجھتے تھے اور اپنے خوابوں کو تجزیے کے لیے سینیٹ میں بھیجا کرتے تھے۔ اپنے خوابوں کی تعبیر جاننے کی جستجو غالباً ہر شخص میں موجود ہوتی ہے۔ اس زمانے میں بھی لوگ تعبیر معلوم کرنے کے لیے اپنے مذہبی رہنماؤں یا کتابوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ آج کل تو کئی ٹیلی ویژن پروگرام ایسے دکھائے جاتے ہیں جن میں آپ فون کر کے اپنا مدعا حاصل کر سکتے ہیں۔ مصنف میری شیلی کے مطابق فرینکن سٹائن ان کے ایک خواب کی تخلیق ہے۔ کچھ خواب بہت عام ہیں جنہیں ہر شخص نے اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور دیکھا ہوتا ہے۔ مثلاً اوپر سے گرنا، ہوا میں اڑنا، پیچھا کیا جانا، دانتوں کا گرنا اور امتحان سے متعلق خواب۔ ڈراؤنے (بھیانک) خواب عموماً کسی قسم کے خوف یا ذہنی پریشانی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ منشیات کا استعمال بھی بھیانک خوابوں کی ایک وجہ ہے۔ (مئی، جون: 2011)

اشارات:۔ اہمیت۔ دورانیہ۔ عقائد۔ عام خواب۔ بھیانک خواب

سونامی

جاپانی زبان سے نکلا ہوا لفظ سونامی "ساحلی لہروں" کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نام ان لہروں کی زبردست اور تباہ کن طاقت کا مظہر نہیں ہے جو ان لہروں کی خاصیت ہے۔ جاپان کے کئی علاقے متعدد بار سونامی کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ ایک یونانی مورخ نے سب سے پہلے دریافت کیا کہ سونامی کی وجہ در اصل سمندر کی تہہ میں موجود آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا ہے۔ بیسویں صدی تک سونامی کے بارے میں علم بہت محدود تھا لیکن آج کل کافی تحقیقات ہو رہی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ زیر آب آتش فشاں پہاڑوں کے علاوہ جوہری توانائی رکھنے والی اشیاء اور ہتھیاروں کا سمندر میں پھینکا جانا یا زمین دوز تختیوں کا ایک دوسرے سے رگڑ کھانا بھی سونامی کا سبب بن سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اکثر ایک چھوٹے سے گیس کے بلبلے کا سمندر میں پھٹنا بھی سونامی کا سبب بن جاتا ہے۔ آج تک آنے والے 80 فیصد سونامی بحر الکاہل میں ریکارڈ کئے گئے ہیں۔

سونامی کے بارے میں پیش گوئی کرنا تو مشکل ہے، البتہ اس کا تھوڑا بہت اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سمندر کا پانی صرف تھوڑی دیر کے لیے ساحل سے اتنا پیچھے ہٹتا ہے کہ نہ صرف زمین دکھائی دیتی ہے بلکہ مچھلیاں بھی ساحل پر پڑی نظر آتی ہیں۔ اس کے ساتھ پانی کے زمین میں جذب ہونے کی آواز بھی آتی ہے۔ کچھ ماہرین حیوانات کا اپنا نظریہ ہے کہ چرند پرند کی کچھ اقسام خطرہ کو پہلے سے محسوس کر کے اونچائی کا رخ اختیار کرتے ہیں۔ اگر اس بات کو مد نظر رکھا جائے تو سونامی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہنے کی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ساحل سے کچھ فاصلے پر لگائے گئے درخت مثلاً ناریل، پام وغیرہ ان لہروں کی طاقت کو توڑ کر سونامی کی روک تھام میں مدد گار ثابت ہو سکتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2011)

اشارات:۔ مفہوم۔ وجوہات۔ پیش گوئی۔ چرند پرند۔ روک تھام۔

بڑھتی ہوئی آبادی کی تشویش ناک صورت حال

ہماری دنیا آج کل کئی مسائل سے دوچار ہے۔ مثلاً خوراک اور پانی کا بحران، گلوبل وارمنگ وغیرہ۔ ہر قوم کی توجہ گلوبل وارمنگ اور اس کے اثرات کو کم کرنے کی طرف مرکوز ہے جب کہ دیکھا جائے تو ترقی پیذ اور پسماندہ ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر روز تقریباً دولاکھ گیارہ ہزار بچے پیدا ہو رہے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے 2025ء تک دنیا کی آبادی 9ارب سے اوپر ہو جائے گی۔ پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی روک تھام پر اس شدت سے غور نہیں کیا جا رہا ہے جتنا اس سے پیدا ہونے والے مسائل پر۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے نتائج اور نقصانات قابلِ تشویش ہیں۔ اگر یہی صورتِ حال رہی تو 2025ء تک 1.8 ارب آبادی پانی کو ترسے گی۔ دنیا کی دو تہائی آبادی میں پانی کی شدید کمی ہو گی جس کا اثر زراعت، انڈسٹری، کھانے پینے اور گھریلو استعمال کی اشیاء پر پڑے گا۔ رہائشی علاقے بڑھنے کے سبب زراعت کے لیے زمین کم پڑ جائے گی۔ جنگلات کے خاتمے کے باعث چرند پرند ناپید ہو جائیں گے اور موسم میں تبدیلی کے باعث درجہ حرارت بڑھ جائے گا۔ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے کوئلے، گیس اور تیل کے ذخائر کم ہوتے جا رہے ہیں اوپر سے سمندر میں تیل کے ٹینکروں کا پھٹنا، فیکٹریوں کے کیمیائی مادے اور کوڑے کچرے کا سمندر میں پھینکا جانا آبی حیات کے لیے موت کا پیغام ہے اور ماہی گیری کی صنعت کو بھی خطرہ ہے۔ وقت آگیا ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کے اقدامات کئے جائیں۔ مردوں اور عورتوں کو بڑھتی ہوئی آبادی کے نقصان اور شرح پیدائش کو کم کرنے کے طریقوں سے آگاہ کیا جائے۔ غربت میں کمی کے لیے تعلیم کو عام کیا جائے، خصوصاً عورتوں میں۔ قدرتی وسائل یعنی تیل اور گیس کے استعمال کو کم کر کے ہوا اور سورج کی توانائی کو استعمال کرنے کے طریقے اختیار کئے جائیں۔ (مئی، جون:2012)

اشارات:۔ موجودہ صارت حال۔ اہم مسائل۔ اثرات۔ ماحولیاتی آلودگی۔ تجاویز

تلسی کے مذہبی اور طبی پہلو

ہندو مذہب میں تلسی بڑا مقدس اور حرمت والا پودا مانا جاتا ہے۔ نہ صرف پوجا پاٹ بلکہ شادی سے لے کر موت تک اس کا استعمال بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مندر خصوصاً وشنو مندر یا ایسا ہندو گھرانہ ہو جس کے صحن کے وسط میں یہ پودا نہ اگایا جاتا ہو۔ پوجا کے وقت اس کے ہار پہنے جاتے ہیں اور میت کو جلاتے وقت اس کی شاخیں اور پتے ساتھ بلائے جاتے ہیں تاکہ روح سیدھی اپنے بھگوان سے جا ملے۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا دھواں کیڑے مکوڑوں اور مکھیوں کو دور رکھتا ہے اور اس طرح اس بیماری کو جس سے مرنے والے کی موت واقع ہوئی ہے۔ پھیلنے سے روکتا ہے۔ صحن کے بیچ میں اگائے جانے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے جب پورا خاندان صحن میں چارپائی ڈال کر سویا کرتا تھا۔ دوسرے پودوں کے برعکس رات آکسیجن خارج کرنے اور اس طرح ماحول کو صحت افزا، خوش گوار اور پر سکون بنانے کی خاصیت اس دستور کا سبب بنی۔ ہندو عقیدے کے مطابق بھگوان وشنو کی تین بیویاں تھیں، سرسوتی، لکشمی اور گنگا۔ ایک دفعہ آپس میں لڑائی کے دوران سرسوتی کی بددعا سے لکشمی تلسی کے پودے میں تبدیل ہو گئی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دیوی مہا لکشمی کا زمین پر دوسرا روپ ہے۔ تلسی کا پودا 30 سے 60 سنٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک رام تلسی اور دوسری شیام تلسی۔ رام تلسی کے پتے بڑے اور ہلکے سبز رنگ کے ہوتے ہیں جب کہ شیام تلسی کے پتے نسبتاً چھوٹے اور گہرے سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ سنسکرت میں تلسی کے معنی ہیں لاثانی یعنی بے نظیر! اور یہ نام اس کی روحانی اور طبی خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت موزوں ہے۔ تلسی کا پودا بے شمار طبی خصوصیات کا حامل ہے۔ ہندوستانی ادویات میں اس کا استعمال عام ہے۔ یہ سانپ کے زہر کے توڑ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پتے کھانسی سے نجات دلاتے ہیں، نظام ہضم کو درست رکھتے ہیں۔ ذیابیطس اور کولیسٹرول کو قابو میں رکھنے کے لیے بہت مفید ہے۔ اناج کی بوریوں اور پانی کے گھڑوں میں اس کے پتے ڈالے جاتے ہیں تاکہ اناج اور پانی دونوں خراب ہونے سے محفوظ رہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2012)

اشارات:۔ عقیدہ۔ مذہبی اہمیت۔ اقسام۔ رواج۔ طبی خصوصیات

ریل گاڑی

چودھویں سے سولھویں صدی کے درمیان لکڑی سے بنائی گئی ریل کے آثار جرمنی میں پائے جاتے ہیں۔اسے موٹے رسوں سے جکڑ کر انسان یا جانور کھینچا کرتے تھے۔اس کی پٹری پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھی۔برطانیہ میں ریل سولھویں صدی میں وجود میں آئی۔اس کی ضرورت کوئلے کی کانوں سے شروع ہوئی۔یہ کوئلے کی کانوں سے کشتیوں تک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔اس طرح کوئلے کی فراہمی دوسرے شہروں میں ممکن ہوئی۔جوں جوں سائنس نے ترقی کی اس کی پٹری پتھر سے تبدیل ہو کر لوہے کی بن گئی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی لمبائی میں بھی اضافہ ہو گیا۔نہ صرف کوئلوں بلکہ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں بھی استعمال ہونے لگی۔پہلی پبلک ریلوے سرے (surry) کے علاقے میں چلی جسے گھوڑے کھینچتے تھے۔بھاپ سے چلنے والے انجن نے بالٹی مور میں 21 کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا جو رفتہ رفتہ 219 کلومیٹر ہو گیا۔اس کے باوجود لوگوں کو لمبے سفر کے لیے کئی ٹرینیں بدلنے کی ضرورت پڑتی تھی۔چند سالوں بعد بجلی سے چلنے والی ٹرین ایجاد ہوئی جو 6 میل فی گھنٹی کی رفتار سے چلتی تھی۔لندن اور نیویارک میں اسے مزید فروغ ملا اور ٹرام کا استعمال عام ہو گیا۔اس زمانے میں یہ سفر کا واحد ذریعہ تھا جو عرصہ دراز تک رائج رہا۔پھر بسیں اور کاریں وجود میں آئیں۔شہروں کی ترقی کے ساتھ سڑکوں کا جال بچھنے سے ٹرام کی مقبولیت کم ہو گئی اور بسوں اور کاروں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ایک شہر سے دور سے شہر سفر کرنے کے لیے ٹرینیں آج بھی مقبول ہیں۔موجودہ دور میں ٹرین کی رفتار 100 میل فی گھنٹہ سے بھی تجاوز کر رہی ہے۔لمبا صرف نہ جلد کٹ جاتا ہے بلکہ آرام دہ بھی ہوتا ہے۔پٹری پر راستہ صاف ملنے کی بنا پر جابجا ٹریفک کا ہجوم اور لال بتیوں کی رکاوٹیں نہیں ملتیں۔کوچ اور کاروں کے لمبے اور تھکاوٹ دینے والے سفر سے بھی نجات ملتی ہے۔ٹرین کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ بسوں اور کاروں کے مقابلے میں کئی سو افراد سامان اکٹھے سفر کر سکتے ہیں۔علاوہ ازیں بسوں اور کاروں کے کم استعمال سے ماحول پٹرول اور ڈیزل کی آلودگی سے محفوظ رہتا ہے۔(مئی،جون:2013)

اشارات:۔ آغاز۔ ابتدائی استعمال۔ بجلی کی ریل۔ موجودہ سہولیات۔ آلودگی

صحرا

ہماری زمین کا پانچواں حصہ صحراؤں پر مشتمل ہے۔ یہاں نمی کی کمی کے باعث پودے نہیں اگتے۔ صحرا تین قسموں کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن میں دن کے وقت درجہ ٔ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن رات کے وقت ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ دوسری قسم قطب شمالی کے صحرا جہاں زمین مسلسل برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو پہاڑوں میں گھری ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا صحرا صحرائے اعظم کہلاتا ہے جو بارہ ملکوں میں سے گزرتا ہے۔ بہت سے صحراؤں میں قیمتی معدنیات اور تیل کے ذخائر دفن ہیں۔ گرم مرطوب آب و ہوا کے باعث یہ خزانے زمین کی گہرائی میں چھپے دنیا کی نظروں سے محفوظ ہیں۔ صحرا میں نخلستان ہی واحد جگہ ہے جہاں جھرنے اور کنویں پائے جاتے ہیں۔ یہاں لوگ پڑاؤ ڈالتے ہیں اور کھانے پینے کی چیزیں اور درخت اگائے جاتے ہیں۔ کہنے کو تو گرم صحراؤں میں زندگی کے آثار نہیں ہوتے لیکن پھر بھی کئی ایسے جانور پائے جاتے ہیں جو صرف رات کے وقت حرکت میں آتے ہیں۔ مثلاً کینگرو چوہے، خرگوش اور مختلف اقسام کی چھپکلیاں جنھوں نے وقت کے ساتھ اپنے آپ کو صحرائی زندگی میں ڈھال لیا ہے۔ سرد صحراؤں جیسے قطب شمالی کے علاقوں میں برفانی ریچھ پائے جاتے ہیں جو برف کے نیچے سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ جانوروں کے علاوہ پودوں کی بھی خاص قسمیں پائی جاتی ہیں جو اپنے تنوں کے اندر پانی جمع رکھتے ہیں۔ کچھ پودے لمبی جڑوں کی بدولت زمین کی گہرائی سے نمی کھینچتے ہیں۔ ان کا پھیلاؤ بھی کافی زیادہ ہوتا ہے۔ کئی صحراؤں میں زمین دوز جھیلیں ہوتی ہیں جن کا پانی عام پودوں کے لیے زمین کی سطح سے بہت نیچے ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں دو پانی کے حصول کے لیے صبح کے وقت پتھروں کو الٹ کر ان کے نیچے اوس کے قطروں کو جمع کر کے پانی حاصل کرتے تھے۔ خانہ بدوش اپنے جانوروں کے لیے سبزے کی تلاش میں پھرتے نظر آتے ہیں۔ انہیں کئی خطرات کا سامنا درپیش ہوتا ہے۔ ریت کے طوفان سے چھپنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، راستہ بھٹکنے کا ڈر ہوتا ہے، گرم صحراؤں میں لو لگنے کا خطرہ اور برفیلے صحراؤں میں سردی لگنے اور صحیح اوزار نہ ہونے پر منجمد ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2013)

اشارات:۔ قسمیں۔ نخلستان۔ جانور۔ پودے۔ خطرات

کوہِ ہمالیہ

ہمالیہ دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔دو ہزار چار سو کلو میٹر کے علاقے پر پھیلے ہوئے یہ پہاڑ سطح سمندر سے پانچ میل کی بلندی پر واقع ہیں۔ہندوستان ۔نیپال، بھوٹان، تبت، افغانستان اور پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کا کام سر انجام دیتے ہیں اور دشمنوں کے حملے سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہیں۔ایورسٹ، کے ٹو، کنچن چنگا کا شمار اس کی بلند ترین چوٹیوں میں ہوتا ہے۔ان پہاڑوں کے دامن میں جہاں برف سے ڈھکے ناقابلِ رہائش علاقے ہیں وہاں سرسبز وشاداب وادیاں اور گھنے جنگلات بھی ہیں جن میں جنگلی حیات کی فراوانی ہے۔ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والے دریاؤں میں برہم پترا، گنگا اور انڈس ہندوستان اور پاکستان کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔دونوں ملکوں میں بجلی پیدا کرنے، فیکٹریاں اور کارخانے چلانے اور گھریلو استعمال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہی دریا پانی فراہم کرتے ہیں۔ان علاقوں میں موسم ناقابلِ بھروسا ہے۔اچانک اور کسی بھی وقت تیزی سے بدل سکتا ہے۔تیز ہوائیں، موسلا دھار بارش، برف باری، زلزلوں کے جھٹکے اور پھسلتے ہوئے برف کے تودے نہ صرف کوہ پیماؤں بلکہ وادی میں بسنے والے باشندوں کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوتے ہیں۔ہمالیہ کی چوٹیاں سر کرنے کوہ پیما اپنی شروعات عموماً شمال مشرقی علاقوں سے کرتے ہیں۔یہاں کے باشندے شرپا کہلاتے ہیں جو ان پہاڑیوں کو "خدا کا گھر" اور ایورسٹ کو "دیوی ماں" کے نام سے پکارتے ہیں۔ان کی گزر بسر کوہ پیما کی رہبری اور انہیں ضروری سامان مہیا کرنے سے حاصل ہونے والی رقم سے ہوتی ہے جو ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے بہت کافی ہوتی ہے۔کچھ لوگوں نے اسی رقم سے سیاحوں کے لیے ہوٹل بھی تعمیر کر لیے ہیں۔سیاحت کی ترقی، ان کے رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلی کا باعث بنی ہے۔کئی بین الاقوامی اداروں نے دوا خانے، اسکول، اور واٹر پلانٹ مہیا کر کے ان کی زندگی آسان بنادی ہے۔(مئی، جون:2014)

حدود اربعہ:۔ ______________________

____

____

دریا:۔ ______________________

____

____

خطرات:۔ ______________________

____

____

باشندے:۔ ______________________

____

____

ذریعہ آمدنی:۔ ______________________

____

____

کہانیاں

بچوں اور کہانیوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ سبھی بچوں کو کہانیاں سننے کا شوق ہوتا ہے۔ پچھلے زمانے میں یہ شوق دادی اماں پورا کیا کرتی تھیں۔ رات کو سونے سے پہلے بچے دادی اماں کے گرد جمع ہو جاتے اور کہانی کی فرمائش شروع ہو جاتی۔ ان کہانیوں میں عام طور پر پریوں، شہزادے اور شہزادیوں کے کردار نمایاں ہوتے تھے۔ یہ کہانیاں عام طور پر سبق آموز اور نصیحت سے بھرپور ہوتی تھیں اور ان میں اصلاحی پہلو بھی جھلکتا تھا۔ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں اچھائی اور برائی کی جنگ دکھائی جاتی تھی اور جیت ہمیشہ اچھائی کی ہوتی تھی۔ کہانیاں سننا بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے بہت ضروری ہے۔ اتنا ہی ضروری ہے بچوں میں کہانیاں پڑھنے کا شوق پیدا کرنا، کیونکہ یہ شوق علم میں وسعت، ذخیرہ الفاظ میں اضافہ اور تصورات اور خیالات کو تحریر میں ڈھالنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اب سے دلچسپی اور لگاؤ کا باعث یہی کتابیں ہیں جو مستقبل کے ادیب، شاعر اور نقاد پیدا کرتی ہیں۔ اچھی کہانیوں اور ادب کی اردو ادب میں کمی نہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بچوں کے لیے کئی نظمیں لکھیں جو بڑی مقبول ہوئیں۔ چند نصاب کا حصہ بھی بنیں مثلاً "پہاڑ اور گلہری"، "جگنو اور بلبل"، "بچوں کی دعا" وغیرہ۔ ان میں چھوٹے چھوٹے جانوروں اور پرندوں کے ذریعے اللہ کی بنائی ہر چھوٹی بڑی چیز کی اہمیت، نیک سلوک اور ایک دوسرے کے کام آنے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ دادا اور دادی کا ساتھ کم ہی ملتا ہے۔ والدین بھی کام کاج سے تھکے ہارے آتے ہیں اور بچوں کو زیادہ وقت نہیں دے پاتے۔ کہانی سننے سنانے کا سلسلہ اختتام پذیر ہے۔ آج کل کی کہانیوں میں یوں بھی کافی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ بیشتر کہانیاں مار دھاڑ سے بھرپور ہوتی ہیں۔ محبت، نیکی، حسن سلوک اور محبت کا پیغام دینے کے بجائے قوت کا غلط استعمال اور بدلہ لینے کی ترغیب زیادہ دیتی ہیں۔ کچھ نئی ٹیکنالوجی کی بھی مہربانیاں ہیں جنہوں نے بچوں میں کہانیوں میں دلچسپی کم اور کمپیوٹر گیمز کی طرف رغبت دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2014)

اشارات:۔ اصلاحی پہلو۔ پڑھنا لکھنا۔ علامہ اقبال۔ نیا دور۔ تبدیلیاں

خوشبو

لباس اور جسم کو معطر رکھنے کے طریقے زمانہ قدیم سے رائج ہیں لیکن صحیح اعتبار سے عطر کی ایجاد کا سہرا ماہر کیمیا دان جابر بن حیان اور اسحاق الکندی کے سر ہے۔ مختلف پھولوں اور پودوں کی آمیزش سے انھوں نے کئی اقسام کے عطر تیار کیے۔ نویں صدی میں لکھی گئی الکندی کی کتاب میں عطریات، خوشبو دار تیل، کریمیں اور مرہم بنانے کی سو سے زائد ترکیبیں اور ان میں استعمال ہونے والے اجزا کا ذکر ہے۔ عطریات بنانے والی ترکیبیں آج بھی کافی حد تک زیر استعمال ہیں۔ ایرانی طبیب اور ماہر کیمیا دان بو علی سینا کی کتابوں سے حاصل کی گئی ہیں۔ انھوں نے پھولوں سے خوشبو دار تیل حاصل کر کے تجربات کیے، ان میں پہلا گلاب کے پھول سے حاصل کیا گیا عرقِ گلاب تھا۔ گیارہویں صدی میں یورپ اور عرب کے درمیان تجارتی تعلقات استوار ہونے پر مختلف مصالحہ جات اور عطریات کا استعمال یورپ میں عام ہو گیا۔ عطر بنانے کی ابتدا ہنگری کی ملکہ کے حکم سے ہوئی اور پھر فرانس کے بادشاہ نے اس کو فروغ دیا۔ اسے اپنے لباس، بستر اور فرنیچر اور پنکھوں کے علاوہ شادی دربار کے لیے بھی روزانہ نئی خوشبو چاہیے ہوتی تھی۔ اسی لیے اس کا دربار "خوشبوؤں کا دربار" کے نام سے مشہور ہوا۔ فرانس آج بھی نت نئے اور اعلیٰ درجے کے عطریات بنانے میں مشہور ہے۔ خوشبوئیں دماغ کو سکون اور طمانیت کا احساس دلاتی ہیں۔ اس لیے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ کسی تکلیف کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دمے کے مریضوں اور حساس طبیعت رکھنے والوں کے لیے الرجی کا باعث بن سکتی ہیں۔ خوشبو دار شیمپو، چہرے اور جسم پر لگائی جانے والی خوشبو دار کریمیں، اور نقلی عطریات خارش، بالوں کے جھڑنے اور جسم پر داغ دھبے پیدا کرنے والے مضر اثرات کا سبب ہیں۔ تحقیقات کے مطابق ان میں استعمال ہونے والے غیر قدرتی اجزاء ان نقصانات کی وجہ ہیں۔ یورپین یونین کے زیر غور ایسے اقدامات ہیں جن سے عطریات میں غیر قدرتی اجزا کا استعمال کم کیا جائے۔ یہ صورت حال عطر بنانے والوں کے لیے قابلِ تشویش ہے۔ یہی نہیں بلکہ امریکہ کے ایک قانون دان کا تو یہ کہنا ہے کہ حکومتی محکموں میں کام کرنے والوں کے لیے سگریٹ کی طرح عطر کے استعمال پر بھی پابندی ہونی چاہیے۔ (مئی، جون:2015)

اشارات:۔ ابتداء۔ تجربات۔ یورپ۔ نقصانات۔ پابندیاں

رنگ

ہماری کائنات خوش نما رنگوں سے معمور ہے وہ چاہے خشکی پر ہوں یا پانی میں۔ جہاں رنگ برنگی آبی مخلوق کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے وہاں جنگلات میں بسنے والے لاتعداد جانور بھی عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ کچھ جانور اپنی حفاظت کے لیے رنگوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کچھ میں بدلنے کی اہمیت ہوتی ہے جسے وہ دشمن سے خبر دار کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو قدرتی طور پر ایسے رنگوں کے مالک ہوتے ہیں ج کے ڈیزائن انہیں ان کی اصلی جسامت سے بڑا ظاہر کرتے ہیں جیسے زیبرے کی آڑی ترچھی دھاریاں اسے بھاگتے ہوئے بڑا بنا کر پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح کئی مچھلیاں بھی ایسے رنگوں اور ڈیزائنون سے مزین ہیں۔ بنیادی رنگ صرف تین ہیں، نیلا، پیلا اور لال۔ باقی تمام رنگ انہی رنگوں سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً لال، پیلے اور نیلے کی ملاوٹ سے کالا رنگ بنتا ہے۔ کپڑے کی رنگائی اور مصوری کے لیے رنگوں کی آمیزش انتہائی ضروری ہے۔ پہلے زمانے میں مصرون کو رنگ حاصل کرنے کے لیے مشکلات درپیش تھیں۔ اس مقصد کے لیے مختلف رنگوں کے پھولوں کی بتیاں حاصل کی جاتی تھیں اور ان سے رنگ حاصل کیے جاتے تھے۔ آج کے دور میں ہر طرح کے رنگ باآسانی دستیاب ہیں۔ فیشن میں بھی رنگوں کا بہت عمل دخل ہے، ہر سال ملبوسات کے نئے رنگ فیشن میں آتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ گھریلو آرائش میں رنگوں کا استعمال بھی فیشن کے مطابق کیا جاتا ہے۔ کھانوں میں بھی رنگوں کا استعمال عام ہے۔ ان کا زیادہ تر استعمال مشروبات میں ہوتا ہے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق حکومت نے کھانے پینے کی اشیاء میں رنگوں کے استعمال کی حدود مقرر کی ہیں۔ خلاف ورزی کرنے پر نہ صرف اشیاء تلف کر دی جاتی ہیں بلکہ سخت کارروائی بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ رنگوں کا زیادہ استعمال کینسر کا موجب بھی بنتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2015)

اشارات:۔ کائنات۔ حفاظت۔ آمیزش۔ فیشن۔ کھانے

اولمپک کھیل

اولمپک کھلیوں کا آغاز 776 قبل مسیح میں یونان میں اولپیا کے اسٹیڈیم سے ہوا۔ یونانی چونکہ دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے اس لیے ان کو خوش رکھنے کے لیے مختلف تہوار مناتے تھے۔ قدیم اولمپک بھی ایک مذہبی تہوار کا حصہ تھے جو دیوتاؤں کے بادشاہ زیوس کی شان میں ہر چار سال بعد منعقد کیے جاتے تھے۔ ان کھیلوں میں صرف مرد ہی شرکت کر سکتے تھے، خواتین کو شرکت کی اجازت نہ تھی۔ شروع میں صرف دوڑوں کے مقابلے ہوتے تھے مگر بعد میں دیگر کھیل بھی مقابلوں میں شامل ہوتے گئے۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے اولمپک کھیلوں پر پابندی عائد کر دی۔ تقریباً پندرہ سو سال بعد 1896 عیسوی میں یونان کے شہر ایتھنز میں پہلے جدید اولمپک مقابلے منعقد ہوئے۔ اب ہر چار سال کے وقفے سے مختلف ممالک ان مقابلوں کی میزبانی کرتے ہیں۔ میزبان کا انتخاب عالمی اولمپک کمیٹی کے ممبر اپنی باہمی رائے دہی سے کرتے ہیں۔ اولمپک کھیلوں کے افتتاح کے موقع پر سب سے پہلے مشعل روشن کی جاتی ہے۔ کھیلوں کے آغاز سے کئی ماہ قبل مشعل ریلی اولپیا میں "ملکہ حیرا" کے مندر کے سامنے سے شروع ہوتی ہے۔ مشعل سورج کی روشنی سے جلائی جاتی ہے جو مختلف ممالک سے ہوتی ہوئی افتتاحی تقریب کے دن اسٹیڈیم میں پہنچ جاتی ہے۔ امن کی علامت کے طور پر فاختائیں بھی ہوا میں چھوڑی جاتی ہیں۔ اولمپک کھیلوں کے آخری دن اختتامی تقریب کے بعد مشعل گل کر دی جاتی ہے۔ کسی بھی کھیل میں پہلی آٹھ پوزیشنیں پانے والوں کو سرٹیفکیٹ دیے جاتے ہیں۔ جب کہ پہلی تین پوزیشنیں حاصل کرنے والے کھلاڑیوں کو بالترتیب سونے، چاندی اور کانسی کے تمغے دیے جاتے ہیں۔ تمغے تیار کرنے کی ذمہ داری میزبان ملک کی ہوتی ہے۔ 1924 میں سرمائی اولمپک کا آغاز ہوا، جن کے لیے سرمائی مقام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ (مئی، جون: 2016)

اشارات:۔ ابتداء۔ نیو اولمپکس۔ جھنڈا۔ مشعل۔ تمغے

قلم کی ایجاد اور ارتقاء

تحریر کی ایجاد کے وقت سے ہی انسان قلم کی اہمیت سے آگاہ ہے۔ جیسے جیسے علم سے انسان کا رشتہ ضبوط ہوتا چلا گیا قلم کی شکل وصورت اور ساخت میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں۔ کاغذ کی ایجاد کے بعد قلم ایک ناگزیر صورت ضرورت بن گیا۔ ابتداء میں لکڑی یا پرندوں کے پروں کو روشنائی میں ڈبو کر لکھا جاتا تھا۔ طویل زمانے تک یہی طریقہ استعمال کیا جاتا رہا۔ تحریر میں روانی پیدا کرنے کے لیے چمچ کی شکل کا قلم ایجاد کیا گیا۔ اس میں چمچ کے ایک حصے کو نوک کی شکل دی گئی تھی۔ اس میں روشنائی بھر کر لکھنے کا کام بہت احتیاط طلب اور نازک تھا۔ اکثر ماہر خطاط ہی اس کو استعمال کرتے تھے۔ سترہویں صدی کے نصف آخر میں پیرس کے ایک شخص نے چاندی کا ایک کھوکھلا قلم بنایا۔ یہ دراصل ایک نلکی تھی جس کے ایک سرے پر ایک نب لگی ہوئی تھی۔ اس نلکی میں سیاہی بھر کر اوپر کارک لگا دیا جاتا تھا۔ یہ فاؤنٹین پین کی ابتدائی شکل تھی۔ انیسویں صدی میں اس نلکی کے اندر ربڑ کی ٹیوب کا اضافہ ہوا اور نب والے حصے کو ڈھکن لگا کر بند کیا جا سکتا تھا۔ اس تبدیلی سے فاؤنٹین پین میں روشنائی بھرنا اور اس کو جیب میں رکھنا تو آسان ہو گیا لیکن لکھتے ہوئے روشنائی کا بہاؤ یکساں نہ تھا۔ تحریر کہیں ہلکی اور کہیں گہری ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات قلم ایک دم بہت سی روشنائی چھوڑ دیتا جس سے کاغذ خراب ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں جو فاؤنٹین پین استعمال ہوتا ہے یہ 1884 عیسوی میں امریکہ کے ایک شخص واٹرمین نے ایجاد کیا تھا جو ایک بیمہ کمپنی کا ایجنٹ تھا۔ بیمہ کے معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے قلم کے سیاہی چھوڑنے کی وجہ سے ایک گاہک نے بیمہ کروانے سے انکار کر دیا۔ اس وقت اسے فاؤنٹین پین کی اصلاح کا خیال آیا۔ آخر اس نے ایک ایسا قلم بنانے میں کامیابی حاصل کر لی جس میں ہوا اور روشنائی بیک وقت مخالف سمتوں میں چلتی تھیں اور قلم روشنائی نہیں چھوڑتا تھا۔ تب سے آج تک فاؤنٹین پین کی شکل وصورت میں تو تبدیلیاں آئی ہیں مگر اصول اور طریقہ آج بھی یہی برتا جاتا ہے۔ گزشتہ صدی کے وسط میں بال پوائنٹ متعارف ہوا جو فاؤنٹین پین کی ہی ایک قسم ہے مگر اس میں بار بار روشنائی بھرنے اور نب کو احتیاط سے استعمال کرنے جیسے مسائل ختم ہو گئے ہیں۔ نسبتاً آسان طریقہ استعمال اور کم قیمت ہونے وجہ سے آج کل بال پوائنٹ ہی سب سے زیادہ استعمال ہونے والا قلم ہے۔ اگر آپ قیمتی قلم استعمال کرنے کے شوقین ہیں تو یہی فاؤنٹین پین یا بال پوائنٹ آپ کی ذوق طبع کے لیے سونے چاندی سے بنے یا قیمتی پتھروں اور جواہرات سے مزین بھی دستیاب ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2016)

اشارات:۔ ابتدائی شکلیں۔ فاؤنٹین پین کا آغاز۔ خامیاں۔ موجودہ فاؤنٹین پین۔ بال پوائنٹ کی مقبولیت

کتب بینی

مطالعہ کی دو اقسام ہیں، نصابی مطالعہ اور تفریحی مطالعہ۔ نصابی مطالعہ کسی موضوع پر معلومات حاصل کرنے کے لیے اور علمی قابلیت میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ تاکہ پیشہ ورانہ میدان میں اچھے نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ اس کے برعکس تفریحی مطالعہ ایک صحت مند مشغلے کے طور پر کیا جاتا ہے جس کے لیے عموماً کسی مخصوص ماحول کی موجودگی یا گہری توجہ درکار نہیں ہوتی تاہم یہ ہماری شخصیت پر زیادہ گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اپنے ذوق کی تسکین اور وقت کے بہترین مصرف کے لیے کتابیں پڑھنے والے لوگ دوسروں کے جذبات و احساسات کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں اور سماجی رویوں کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تفریحی مطالعہ خیالات اور تصورات میں وسعت پیدا کر کے تخلیقی صلاحیتیں ابھارتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اچھا ادیب بننے کے لیے پہلے اچھا قاری بننا ضروری ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ انسان کی پسند اور رجحان میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اس لیے اسی کے مطابق کتابیں منتخب کی جائیں تو پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتابوں کے معیار کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ غیر معیاری کتابیں فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ بچے عام طور پر کہانیاں پڑھنا پسند کرتے ہیں، لہٰذا والدین اور اساتذہ کو ان کے لیے ان کے پسندیدہ موضوعات پر مطالعے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، جو ان کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب کرے۔ آج کل بچے ہوں یا بڑے، سب ہی وقت کی کمی کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔ کسی حد تک یہ بات درست بھی ہے لیکن مطالعہ کا شوق ہو تو وقت نکالنا کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ جو کتابیں آپ کے زیر مطالعہ ہیں انھیں ہر جگہ اپنے ساتھ رکھیں۔ اس طرح معمول کے کاموں کے دوران وقت ملنے پر، مثلاً کسی انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے، سفر کے دوران، آرام کے وقفے میں یا سونے سے پہلے اپنی پسند کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے ذہن پرسکون اور تروتازہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تعطیلات کے دوران مطالعے کے لیے کافی وقت مل سکتا ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ایجاد نے اس میدان میں مزید دلچسپی کا سامان پیدا کیا ہے۔ اب بہت سی کتابیں خصوصاً مہنگی اور نایاب کتابیں آن لائن بھی دستیاب ہیں، جو نسبتاً کم قیمت پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ نیز کتب بینی کے شوقین افراد کے ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعے تبادلہ خیال کرنے سے مطالعے میں دلچسپی برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ (مئی، جون:2017)

اشارات:۔ مطالعے کے مقاصد۔ تفریحی مطالعے کے فوائد۔ کتابوں کا انتخاب۔ مطالعہ کے مواقع۔ جدید ٹیکنالوجی

دریائے زرد

چین کا "دریائے زرد" جسے چین کے لوگ "ہوانگ ہی" کے نام سے بھی پکارتے ہیں، دنیا کے مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے۔ پانی میں زرد رنگ کی مٹی کی بہتات کے باعث یہ دریائے زرد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ چین کے مغربی حصے میں "بایان آر" کے پہاڑوں سے شروع ہو کر طویل مسافت طے کرتا ہوا خلیج "بوہائی" کے مقام پر سمندر میں شامل ہوتا ہے۔ وسیع علاقوں میں پانی کی فراہمی اور منافع بخش زراعت اس دریا کی مرہون منت ہے۔ اسے چینی تہذیب کا گہوارہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کے کنارے ہی قدیم چینی تہذیب پروان چڑھی۔ پرانے وقتوں میں یہ علاقے چین کے سب سے زیادہ خوش حال علاقے تھے۔ قدیم چینی داستانوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے جن کے مطابق یہ دریا کہکشاؤں سے ہوتا ہوا سیدھا جنت سے آتا ہے۔ تاریخ کے طویل دور میں یہ دریا اپنی افادیت یا تباہ کاریوں کے باعث شہرت کا حامل رہا ہے۔

یہ دنیا کا سب سے زیادہ مٹیالا دریا ہے جو ہر سال سینکڑوں ٹن مٹی سمندر کی نذر کرتا ہے۔ چینی زبان کا ایک محاورہ "جب دریائے زرد کا بہاؤ شفاف ہو گا" ایسی چیز کے بارے میں بولا جاتا ہے جو کبھی نہیں ہو گی۔ دریا کی تہہ مٹی جمع ہونے سے مسلسل بلند ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ دریا اپنا راستہ بدل چکا ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے اور سیلاب سے بچاؤ کے لیے بنائے گئے ڈیم بھی مٹی کی بڑی مقدار کی وجہ سے زیادہ عرصہ کارآمد نہیں رہتے۔

دریائے زرد میں آنے والے سیلاب بے شمار جانی و مالی نقصان کا باعث بنتے رہے ہیں۔ تاریخ کا سب سے تباہ کن سیلاب 1332ء کا تھا جس میں 70 لاکھ لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ قدرتی سیلابوں کے علاوہ 1938ء میں جنگ کے دوران جاپانی فوجوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے چینی حکومت نے خود دریا کے بند توڑ دیے، جس سے ہزاروں کلومیٹر علاقہ زیرِ آب آ گیا اور لاکھوں لوگ ہلاک اور بے گھر ہو گئے۔ دریا کی تباہ کاریوں کے بعد متاثرہ علاقوں میں قحط اور بیماریوں کے باعث مزید لوگ مارے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں اس دریا کو فیکٹریوں کے فاضل مادوں اور تیزی سے بڑھتی شہری آبادی کے نکاسیِ آب کی وجہ سے شدید آلودگی کا سامنا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق دریا کا ایک تہائی حصہ اس قدر آلودہ ہو چکا ہے کہ اس کا پانی کاشت کاری یا صنعتی استعمال کے لیے بھی موزوں نہیں ہے۔ دریائے زرد کے نرم خول والے کچھوے جو چینی کھانوں میں بہت پسند کیے جاتے ہیں آج کل زیادہ تر فارموں میں پالے جاتے ہیں جو اکثر دریا کے اطراف کے علاقوں میں بنائے گئے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2017)

اشارات: (1) جغرافیہ۔ (2) ثقافتی اہمیت۔ (3) مٹی کے اثرات۔ (4) سیلاب۔ (5) آلودگی

فنی تعلیم کی ضرورت و اہمیت

موجودہ دور میں رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنی تعلیم بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ معاملہ خواہ لباس و زیبائش کا ہو، یا تعمیر مکان سے لے کر اس کی تزئین و آرائش کا، برقی آلات کے مسائل ہوں یا کسی تقریب کا انتظام، زندگی کے ہر مرحلے میں ہنر مند افراد ہی کام آتے ہیں۔ ہنر مند افراد ملکی معیشت کے لیے بھی اہم ثابت ہوتے ہیں اور ملک کے لیے قیمتی زرِ مبادلہ کماتے ہیں۔ زندگی میں غیر متوقع حالات کبھی بھی پیش آ سکتے ہیں۔ کسی فن میں مہارت رکھنے والے مشکل وقت میں اپنے ہنر کی بدولت باعزت روزگار حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ ہنر کو ذریعہ روزگار بنانے کے بجائے مشغلے کے طور پر اپنا لیتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ جو لوگ کوئی ایسا ہنر جانتے ہیں جس میں وہ ہاتھ سے کام کر کے خود کو مصروف رکھیں وہ ذہنی طور پر زیادہ پر سکون اور خوش رہتے ہیں۔

لیکن ہنر کیسے سیکھا جائے؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ انفرادی طور پر ہنر سکھانے والے خود ماہر ہونے کے باوجود سکھانے کے جدید طریقوں سے ناواقف ہیں۔ ان سے تربیت پانے والے سالہا سال سیکھنے کے باوجود اس قابل نہیں ہو پاتے کہ خود مختار طور پر کام کر کے اپنے فن میں ترقی حاصل کر سکیں۔ رسمی تعلیم کی طرح یہ شعبہ بھی حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ لیکن فنی تعلیم کے ادارے بہت کم ہیں اور جدید دور کی ضروریات کے حساب سے ناکافی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

اگر اجتماعی طور پر دیکھا جائے تو دنیا بھر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئے شعبے وجود میں آ رہے ہیں جن کے ماہرین کی خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں بہت مانگ ہے۔ اسی لیے ترقی پذیر ممالک سے ہنر مند افراد ان ممالک کا رخ کرتے ہیں جہاں وہ اچھی آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت جدید سہولتوں سے آراستہ فنی تعلیم کے مزید ادارے قائم کرے جس سے نہ صرف ہنر سیکھنے کے خواہش مند افراد کی حوصلہ افزائی ہو بلکہ روزگار کے نئے مواقع بھی پیدا ہو سکیں۔ انفرادی سطح پر بھی جو لوگ کسی فن میں مہارت رکھتے ہیں انھیں چاہیے کہ تربیت کے جدید طریقے اپنائیں، تاکہ نہ صرف ان کا فن آنے والے وقتوں میں زندہ رہے، بلکہ زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرے۔ (مئی، جون: 2018)

اشارات: (1) اہمیت کی وجوہات۔ (2) فوائد۔ (3) مسائل۔ (4) عالمی صورت حال۔ (5) ضروری اقدامات

کاغذ کی ایجاد اور اس کا استعمال

کاغذ کی ایجاد سے پہلے علم تک رسائی آسان نہیں تھی اور کم ہی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تحریر کے لیے کہیں مٹی کی تختیاں اور پتھر کی سلیں استعمال ہوتی تھیں، کہیں درختوں کی چھال اور پتوں پر الفاظ کندہ کیے جاتے تھے اور کہیں اس مقصد کے لیے چمڑہ استعمال ہوتا تھا۔ کاغذ کی ایجاد نے صحیح معنوں میں علم کے دروازے تمام عالم کے لیے کھول دیے یعنی آج علم کسی خاص طبقے یا علاقے تک محدود نہیں رہا بلکہ اب ہر شخص اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کاغذ کے لیے سب سے پہلی پیش رفت پانچ ہزار سال قبل مصریوں نے کی۔ وہ پیپرس نامی درخت کی چھال سے کاغذ کی طرح پتلے پرت بناتے تھے۔ یہ کاغذ شروع میں تو بہت مقبول ہوا مگر زیادہ پائیدار نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس کا استعمال ختم ہو گیا۔ لکڑی کے گودے سے کاغذ بنانے کا طریقہ چین میں ایجاد ہوا۔ وہاں دوسری صدی عیسوی میں ہان خاندان کے دورِ حکومت میں بانس کے درختوں کی چھال یا ریشم کے کپڑوں کی جگہ لکھنے کے لیے باقاعدہ کاغذ کا استعمال کیا جانے لگا۔

751ء میں چین نے سمر قند پر حملہ کیا تو اس وقت اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت تی۔ اس جنگ میں چینیوں کو شکست ہوئی اور بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والے ان قیدیوں میں سے چند کاغذ ساز بھی تھے جن سے یہ ہنر مسلمانوں تک پہنچا۔ اسلامی دنیا میں یہ دور علم و فن کے عروج کا دور تھا اور کاغذ کی دستیابی سے علم کی ترویج میں مدد ملی۔ انھوں نے اس میں نئی تحقیقات اور ایجادات کیں اور بڑے پیمانے پر کاغذ سازی کی ابتداء ہوئی، جس کے نتیجے میں کتابوں کی جلد سازی اور اشاعت شروع ہوئی اور بے شمار کتب خانے وجود میں آئے۔ مسلمانوں نے جدید کاغذ سازی کی صنعت کو باقی دنیا میں بھی متعارف کرایا۔

بنیادی طور پر تو کاغذ کا زیادہ تر مصرف لکھنے پڑھنے اور نشر و اشاعت کے لیے ہے اور اس مقصد کے لیے کئی قسم کا کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کاغذی مصنوعات کی صورت میں بھی بڑی مقدار میں اس کا استعمال ہو رہا ہے، مثلاً پیکنگ، ٹشو پیپر، کاغذی برتن، ٹکٹ اور کرنسی نوٹ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں کاغذ اور اس کی مصنوعات کی مانگ پچھلے چالیس برسوں میں 400 فی صد تک بڑھ چکی ہے۔ اس روز افزوں ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زیادہ درخت کاٹے جا رہے ہیں جس کا اثر ہمارے ماحول پر بھی پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ کاغذ کی تیاری کے دوران استعمال ہونے والے کیمیائی مادے زمینی فضا کو نقصان پہنچانے کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ہم کاغذ کے استعمال میں بچت کر کے زمینی ماحول کی حفاظت میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2018)

اشارات: (1) قدیم تحریریں۔ (2) ابتدائی ایجادات۔ (3) مسلمانوں کا کردار۔ (4) موجودہ استعمال۔ (5) ماحول پر اثرات

تفہیم نویسی

اس سوال میں کل مارکس حاصل کرنے کا طریقہ

تفہیم لفظ کا مادہ "فہم" ہے۔ "فہم" کا معنٰی ہے "سمجھ"۔ تفہیم کا معنٰی ہے گفتگو اور سیاق و سباق کی سمجھ۔

اولیولز میں تقریباً اڑھائی سو سے تین سو الفاظ کی دو عبارتیں دی جاتی ہیں۔ ایک عبارت کسی شخصیت کی سوانح سے متعلق اور دوسری عبارت کسی چیز یا مقام سے متعلق معلومات پر مشتمل ہوتی ہے۔

دونوں عبارتوں سے متعلق آخر میں سوالات دیت جاتے ہیں جن کے جوابات امیدوار عبارتوں میں دی گئی معلومات کی روشنی میں جوابی حصے پر تحریر کرتا ہے۔

سوالات کی تعداد کے بارے میں کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں ہے۔ ممتحن اپنی منشا کے مطابق ایک عبارت کے بعد پانچ، چھ، سات یا آٹھ سوالات دے سکتا ہے۔

ایک عبارت سے متعلق 15 نمبر کے سوالات دیے جاتے ہیں۔ دونوں عبارتوں کے تیس نمبر ہوتے ہیں۔

سوال کے جتنے نمبر ہوں، جواب میں اتنے ہی نکتے تحریر کیے جائیں گے۔ یعنی کسی سوال کے سامنے اس کے 3 نمبر ہوں تو عبارت سے اس کا جواب تلاش کر کے تین نکات میں لکھنا ہوتا ہے۔

جواب لکھنے کے لیے الفاظ کی تعداد کا تعین نہیں کیا گیا، محض نکات کی تعداد متعین کی گئی ہے۔

تفہیم کی عبارتوں کے بعد دیے گئے سوالات کے جوابات لکھنے کے لیے:۔

1. عبارت کو غور سے پڑھیں۔
2. سوالات کو غور سے پڑھیں۔
3. عبارت میں دی گئی معلومات پر سوالات کے جوابات کے مطابق نشانات لگائیں یا جوابات کو خط کشیدہ کریں۔
4. ان جوابات کو "مطلوب نکات کی صورت میں اپنے الفاظ" میں تحریر کریں۔
5. جواب کو عبارت سے جوں کا توں نقل مت کریں کیونکہ جواب عبارت سے اخذ کر کے "اپنے الفاظ" میں لکھنا لازم ہے۔
6. جوابات لکھتے وقت سوالات کے نمبروں کے مطابق نکات کی تعداد ہر صورت میں مد نظر رکھیں۔
7. اپنے الفاظ میں جوابات لکھتے وقت دقیق اور مشکل زبان استعمال کرنے سے احتراز کریں، بالخصوص اگر مشکل الفاظ لکھنے میں املا اور مفہوم میں غلطی ہونے کا احتمال ہو۔

ٹیلی ویژن

ٹیلی ویژن دورِ حاضر کا سب سے طاقت ور اور موثر ذریعہ ابلاغ ہے۔اس نے دنیا بھر کے لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔اس کے دلچسپ پروگراموں سے خواندہ اور ناخواندہ افراد یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔یہ ایک بہترین ذریعہ تعلیم بھی ہے۔اس کے ذریعے طالب علم سائنس کی جدید ترین ایجادات، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت، دیس دیس کے لوگوں کی معاشرت اور تمدنی حالات سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔پاکستان میں ٹیلی ویژن کا آغاز 1964 میں ہوا تھا۔اس کا دائرہ ہر سال وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہاہے اور موجودہ نسل اس کے پروگراموں سے متاثر ہو رہی ہے۔ریڈیو اور سینما کی طرح ٹی وی بھی اچھے اور برے دونوں پہلو اپنے اندر رکھتاہے۔اس کے اصلاحی اور معلوماتی پروگراموں سے جہاں ہمارے نوجوان مفید معلومات حاصل کرتے ہیں وہاں مار دھاڑ، قتل وغارت اور تشدد کے مناظر دیکھ دیکھ کر ان میں جرائم پسندی کا رجحان بھی پیدا ہوتا جارہاہے۔اس بات پر خود یورپ کے اہلِ نظر بھی اپنی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ہمارے ملک میں تعلیم بہت کم ہے۔اس لیے اخبارات اور رسائل سے صرف پڑھالکھاطبقہ ہی فائدہ اٹھاسکتاہے۔ریڈیو سننے والوں کی تعداد بلاشبہ کافی زیادہ ہے کیونکہ آپ سے چلتے پھرتے سن سکتے ہیں اور عام لوگ اسے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔بہر حال فرصت کے اوقات میں ٹیلی ویژن لوگوں کے لیے تفریح اور معلومات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔دن بھر تھکے ہوئے لوگ جب شام کو ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھتے ہیں تو ان کی ساری دماغی اور جسمانی تھکن دور ہو جاتی ہے۔(مئی، جون:2004)

ٹیلی ویژن نے انسانی زندگی پر کیا اثر ڈالا ہے؟(2)

طالب علم ٹی وی سے کون سے فائدے حاصل کر سکتے ہیں؟(3)

پاکستان ٹی وی نے کس سال نشریات شروع کیں؟(1)

ریڈیو سننے والوں کی تعداد کیوں زیادہ ہے؟(2)

مصنف نے ٹی وی کے بارے میں تشویش کا اظہار کیوں کیا ہے؟(4)

اخبارات کو ریڈیو اور ٹی وی پر ترجیح دینے کی تین وجوہات لکھیں؟(3)

پابندی وقت

پابندیِ وقت سے مراد ہر کام کو مقرر وقت پر کرنا ہے۔ماضی کی یاد میں افسوس کرنا فطری چیز ہے لیکن اس کے بجائے اپنے حال اور مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔اکثر لوگ وقت کی قدر و قیمت کا احساس نہیں کرتے۔

یہ ایک قیمتی خزانہ ہے اور اسے مفت میں گنوانا نہیں چاہیے کیونکہ گزرا ہوا وقت کسی قیمت پر واپس نہیں آ سکتا۔ سکندرِ اعظم نے مرتے وقت کہا تھا" کوئی میری سلطنت لے لے اور مجھے جینے کے لیے چند لمحات اور دے دے"۔ لیکن ایسا کون کر سکتا تھا؟

غور سے دیکھا جائے تو کائنات کا پورا نظام ہمیں وقت کی پابندی کا درس دیتا ہے۔دن رات اپنے مقرر وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے۔قدرت کے ان عناصر کے پروگراموں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

وقت کی پابندی زندگی کے ہر شعبے میں بہت ضروری ہے۔دنیا کا ہر شخص خواہ وہ کسی بھی پیشے سے تعلق رکھتا ہو وقت کی پابندی کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

کسان وقت پر بیج ڈالے بغیر اپنے کھیت سے ایک دانہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔وقت کی پابندی کے بغیر کوئی بھی کاروبار منافع بخش نہیں ہو سکتا۔طالب علم کا سارا مستقبل اس کی وقت کی پابندی سے وابستہ ہے ورنہ وہ مستقبل میں ترقی اور کامیاب زندگی سے محروم وہ جائے گا۔ایک مسافر کے لیے بھی مقرر وقت پر پہنچنا لازم ہے ورنہ گاڑی چھوٹنے کا احتمال ہے۔کسی نے خوب کہا ہے:۔

جو ہر کام کرتا ہے وقت پر ملے اس کو آرام شام و سحر

(مئی،جون:2004)

مصنف کے مطابق وقت کی قدر کیوں ضروری ہے؟(2)

سکندرِ اعظم کے آخری الفاظ سے ہمیں کی کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟(3)

مصنف نے نظامِ قدرت کی مثال کیوں دی ہے؟(3)

وقت کی پابندی کامیابی کی کنجی ہے۔وضاحت کریں۔(4)

وقت کی پابندی ایک طالب علم کی کارگزاری پر کیا اثر ڈالتی ہے؟(3)

دونوں عبارتوں کے کل نمبر:

دستخط استاد:

شہری اور دیہاتی زندگی کا موازنہ

قدرت کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو اہلِ دیہات کے لیے مخصوص ہیں اور وہ شہروں میں بسنے والے لوگوں کے حصے نہیں آئیں۔شہروں میں انسان اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکتا ہے۔شہری ماحول انسان کو مجلسی آداب و اطوار سکھاتا ہے۔یہاں انسان کو مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کی سوسائٹی مل سکتی تھی، ضروریاتِ زندگی آسانی سے دستیاب ہو کاتی ہیں۔اگر کوئی بیمار ہو جائے تو بر وقت طبی امداد حاصل کر سکتا ہے۔شہر میں انسان دورِ جدید کی ترقیوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ذرائع آمد ورفت عام ہونے کی وجہ سے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکتا ہے۔کاروبار،ملازمت، صنعت و حرفت کے بیشتر مواقع شہروں ہی میں ملتے ہیں۔ڈاک خانے، ہسپتال،اسکول،کالج، سینما، تھانہ،کچہری،اسٹیشن،بینک،بازار،بازار یہ سب چیزیں شہروں میں ہی پائی جاتی ہیں۔شہری زندگی کا تاریک پہلو یہ ہے کہ یہاں خالص غذا اور صاف ستھری ہوا میسر نہیں آتی۔دودھ، گھی، آٹا وغیرہ تمام اشیائے خوردنی میں ملاوٹ پائی جاتی ہے۔لوگ زیادہ تر تنگ و تاریک کوچوں اور بند گلیوں میں رہتے ہیں۔بعض مکانوں میں تازہ ہوا اور دھوپ کا گزر تک نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں شہری لوگوں کی صحت دیہاتی لوھوں کی نسبت بہت کمزور ہوتی ہے۔شہروں کے لوگ بالعموم پر تکلف اور مصنوعی زندگی گزارتے ہیں۔دوسری طرف دیہات کے لوگ تہذیبِ جدید کی برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔انہیں وہ سہولتیں میسر نہیں ہوتیں جو شہر والوں کو حاصل ہیں۔اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کی طبی امداد کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔دور دراز کے دیہات میں آمد ورفت کی بہت سی دشواریاں پائی جاتی ہیں۔یہ لوگ اپنے بچوں کو خاطر خواہ تعلیم نہیں دلا سکتے۔دیہات میں روزگار کے مواقع بھی بہت کم پائے جاتے ہیں۔(اکتوبر،نومبر:2004)

شہری ماحول کی کیا اہمیت ہے؟(2)

____

____

____

____

مصنف کی رائے میں زندگی شہری زندگی روشن مستقبل کی آئینہ دار ہے۔کیوں؟(3)

____

____

کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ دیہاتی زندگی صحت مند اور پر سکون ماحول کو جنم دیتی ہے؟(4)

شہری زندگی کے کون سے تاریک پہلو ہیں؟(3)

بہت سارے لوگ گاؤں میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ کیوں؟(3)

تجارت کی اہمیت

تجارت، ملازمت، مزدوری، زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ مشہور ذرائع معاش ہیں۔ لیکن ان سب میں تجارت افضل پیشہ ہے۔ ہمارے رسول ﷺ اور بعض صحابہ کرام بھی تجارت کیا کرتے تھے اور اسلام کے دنیا میں پھیلنے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔

تجارت آدمی کو کفایت شعار بناتی ہے۔ مستقل مزاجی سکھاتی ہے۔ تجارت میں آدمی کو پوری آزادی ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوق سے کام لیتا ہے۔ جب چاہا کام کیا۔ جب چاہا آرام کیا۔ نہ افسر کا ڈر نہ چھٹی کا انتظار اور پھر دنوں میں دولت کے انبار!

تجارت سے کسی فرد واحد ہی کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس سے ملک بھی خوشحال ہو جاتا ہے۔ بیکاری نام کو نہیں رہتی۔ اب تو ریل گاڑیوں اور جہازوں کی وجہ سے تجارت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔

تعلیم یافتہ نوجوان ہمت کریں۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا سیکھیں۔ تجارت کے اصولوں کو ذہن نشین کریں۔ سو دو سو روپے کی ملازمت سے قطع نظر کر کے تجارت شروع کر دیں۔

بزدلی، کمزور، جھجک، شرم سب کو بالائے طاق رکھ دیں تو ساری بیکاری، ساری نحوست وغیرہ دور ہو سکتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے بھی تجارت کے میدان میں خاصی ترقی کی ہے۔ چمڑا، روئی اور دوسری خام اجناس کی وجہ سے پاکستان کو دنیا بھر میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اب ہماری درآمد و برآمد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تجارت ہی ایک ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعے قومیں بامِ عروج پر پہنچتی ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

پاتی ہیں قومیں تجارت سے عروج　　　بس یہی ان کے لیے معراج ہے

(اکتوبر، نومبر: 2004)

تجارت دوسرے پیشوں سے کیوں بہتر ہے؟ (2)

ایک تاجر معاشرے کی بہتری پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟ (2)

یہ کس حد تک درست ہے کہ کسی ملک کی ترقی کا راز اچھی تجارت میں ہے؟(3)

پاکستان کی تجارتی ترقی کے اسباب کیا ہیں؟(2)

مصنف تجارت کو کیوں نمایاں حیثیت دیتا ہے؟(2)

آپ اپنے دوست کو کون سا کام کرنے کا مشورہ دیں گے اور کیوں؟(4)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

مچھر سے پھیلنے والی بیماریاں

دورِ حاضر میں طبی ماہرین نے دنیا کے اکثر مہلک امراض کا علاج یا تو دریافت کر لیا ہے یا پھر ان پر قابو پانے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر چیچک، ہیضہ، پولیو وغیرہ کے لیے موثر دوائیں موجود ہیں لیکن ایک ایسا مرض آج بھی سائنس دانوں کے قابو سے باہر ہے جس کا نام ملیریا ہے۔ ملیریا لفظ کا معنیٰ "بری ہوا" ہے کیونکہ انیسویں صدی کے آخر تک لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ملیریا کی جڑ دلدلی علاقوں سے نکلتی ہوئی بدبودار ہوائیں تھیں۔ گرم ممالک کے باشندے مچھر کی خطرناک عادات سے خوب واقف ہیں۔

ہر سال لاکھوں لوگ مچھروں کے کاٹنے سے ملیریا جیسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کافی لوگ خصوصا بچے اس سے جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ اس جدید دور میں ہوائی جہاز کے سفر کے عام ہونے کی وجہ سے ان جہازوں کے ذریعے ملیریا کی وبا سرد ملکوں میں بھی پھیل رہی ہے۔

سرد علاقوں کے باشندے دو وجوہات کی بنا پر خوش قسمت ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملیریا پھیلانے والے مچھر دنیا کے شمالی علاقوں کی سردی برداشت نہیں کر سکتے، دوسرے مچھر کی جو خاص قسم برطانیہ میں پائی جاتی ہے اس کے پیٹ میں ملیریا کے جراثیم نہیں رہ سکتے۔

عام طور پر برصغیر میں سفر کرنے والے لوگ مچھر کے کاٹنے اور اس کے اثرات سے بچنے کے لیے مختلف احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں، مثلا:۔ جال نما پردے، خاص کیمیائی چھڑکاؤ، خاص دھوئیں والی شمع اور بجلی کی مشینیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کئی قسم کی گولیاں بھی لینی پڑتی ہیں لیکن ان ساری احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی مچھر ہمیں کاٹتے رہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مچھر کسی ایک آدمی کو تو کاٹتا ہے لیکن پاس بیٹھے دوسرے آدمی کا خون پینا پسند نہیں کرتا۔

حال ہی میں ہالینڈ کے سائنسی ماہرین نے اعلان کیا ہے کہ پانچ سال کی مسلسل تحقیقات کے بعد یہ انکشاف ہوا ہے کہ مچھر جانور کے جسم سے نکلتی ہوئی بو کی طرف راغب ہوتے ہیں جن میں ایک وہ ہے جو انسانوں کے پیر کی انگلیوں میں سے نکلتی ہے اور ایک خاص قسم کے پنیر کی مانند ہے۔

اس سلسلے میں مزید تجربات کی منصوبہ بندی جاری ہے لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس پنیر کی بو صرف چند منٹ تک برداشت کر سکتے ہیں۔ (مئی، جون:2005)

ملیریا کیسے پیدا ہوا تھا؟(2)

____

____

سرد ملکوں کے رہنے والے خوش قسمت کیوں ہوتے ہیں؟(2)

____

____

____

دور حاضر میں ذرائع سفر کا ملیریا سے کیا تعلق ہے؟(2)

مچھر خاص لوگوں کو یوں ترجیح دیتے ہیں۔(3)

مچھر سے بچاؤ کے کیا طریقے ہیں؟(3)

سائنس دانوں کی نئی دریافت میں کیا بات رکاوٹ کا باعث ہے اور کیوں؟(2)

کس عمر کے لوگوں کو ملیریا سے نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال ہے؟(1)

سعادت حسن منٹو کی یاد میں

میں منٹو صاحب سے شاید ہی کبھی ناراض ہوں، میں نے تو منٹو صاحب کی ہر بات برداشت کی ہے۔ منٹو سے ملنے والے جانتے ہیں کہ منٹو بعض دفعہ کس قدر زیادتی پر اتر آتے تھے۔ ایک دفعہ ضرور میں نے ان کی شکایت احمد ندیم قاسمی سے کی تھی اور آج مجھے ان کے مرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ کاش میں اس بار بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لایا ہوتا اور وہ زیادتی بھی برداشت کر لیتا۔

قصہ یہ تھا کہ میرا ٹانسل کا آپریشن ڈاکٹر ولایت ملک نے کیا تھا جس میں ایک مہینا چھ دن ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ جون کا مہینا ،لاہور کی گرمی اور اس پر بیماری کے چڑچڑے پن کا شکار تھا اور یہی نہیں اس دن میری قیمتی گھڑی بھی کھو گئی تھی۔ چونکہ ایک مہینا چھ دن سے منٹو صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لیے ہسپتال سے میں سیدھا منٹو صاحب کے گھر گیا۔ منٹو صاحب پہلے تو بگڑے کہ اتنے دن خبر کیوں نہیں لی، میں نے ہسپتال کی روداد سنا کر کیا کہ خبر تو آپ کو لینی چاہیے تھے۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے ۔کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر بولے "کچھ پیسے چاہییں، ہیں؟"۔ میں نے کہا "میرے پاس جملہ بیس روپے ہیں اور وہ بڑی مشکل سے ہسپتال میں بچائے ہیں اور آج ہی مجھے راولپنڈی بھائی کے پاس جانا ہے۔ کالج اور ہسپتال کی چھوٹی چھوٹی ادائیگیاں اور کرایہ وغیرہ ملا کر بیس روپے ہوتے ہیں"۔ کہنے لگے "یار پھر بھی دے دو"۔ میں نے کہا: میری مجبوری دیکھیے "۔ کہنے لگے "یار کیا بک بک کرتے ہو، نکالو"۔ میں نے عرض کی "مجھے پنڈی جانا ہے"۔ غصے میں آ گئے اور پھر بھڑک اٹھے تو میں نے بھی غصے سے بیس روپے نکال کر ان کے سامنے پھینک دیے۔

شراب نہ ملنے پر ان کی جو حالت ہوتی تھی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ میں نے بیس روپے دے دیے اور اب میرے پاس ایک پیسا بھی نہ تھا۔ ایک گھنٹے تک ہال روڈ اور مال روڈ کے چوراہے پر کھڑا سوچتا رہا کہ اب بیس روپے کہاں سے حاصل کیے جائیں۔ بڑی سوچ وچار کے بعد ندیم صاحب کے پاس پہنچا۔ ظاہر ہے میرے لیے اور کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے سارا واقعہ انہیں سنا دیا اور کہا کہ پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔ ندیم صاحب بے حد مخلص انسان تھے۔ انھوں نے کچھ نہ کہا۔ کاغذ قلم اٹھا کر ایک خط نذیر چودھری کے نام لکھا کہ "برادرم اسد اللہ کو بیس روپیوں کی ضرورت ہے۔ آپ میرا افسانہ لے لیجیے اور انہیں اسی وقت بیس روپے دے دیجیے"۔

نذیر چودھری مجھے نہیں ملے تو میں نے مکتبہ اردو سے ندیم صاحب کو ٹیلی فون کیا۔ انھوں نے جواب دیا "آپ امروز کے دفتر چلے آیئے"۔ میں امروز کے دفتر پہنچا۔ وہ میرے نام ایک رقعہ چھوڑ گئے تھے کہ انتظار کیجیے، میں ابھی آتا ہوں۔ مجھے ایک اور جگہ کام تھا۔ میں وہاں سے واپس آیا تو ندیم صاحب اپنے ایک دوست سے جن کی چشموں کی دکان ہے، سخت گرمی میں جا کر بیس روپے ادھار لے آئے تھے۔ انھوں نے مجھے بیس روپے دیے اور کہا "یہ لو اور پنڈی چلے جاؤ"۔ (مئی، جون:2005)

مصنف نے یہ کیوں لکھا کہ "کاش میں اس بار بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لایا ہوتا؟"۔ (3)

مصنف کو کس لیے پیسوں کی ضرورت تھی؟(2)

منٹو کا رویہ مناسب تھا یا نہیں؟ دو وجوہات لکھیں۔(3)

احمد ندیم قاسمی نے مصنف کی مدد کیسے کی؟ تفصیل سے لکھیں۔(4)

دوستی پر پیسوں کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

باہمی اتحاد اور ہمدردی

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے مل کر رہتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اسی لیے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ احساسِ محبت رکھتا ہے۔ یہ احساس ہی ہے جو انسان کو اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے جن میں سب سے اہم وصف "خدمتِ خلق" ہے۔ جس دل میں دوسروں کی محبت کا جذبہ نہیں وہ دل نہیں بلکہ پتھر کا ٹکرا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی انبیاء آئے ہیں ان سب نے خدمتِ خلق کی تعلیم دی ہے۔ تمام مذاہب کی الہامی کتابوں سے انسان کو یہی تعلیم ملتی ہے کہ آپس میں ہمدردی کرو اور خدمت خلق کو اپنا معمول بناؤ۔ اسی چیز کا نام انسانیت ہے۔

یہ ایک مشکل حقیقت ہے کہ ہر انسان ذاتی منفعت کے لیے دوڑ دھوپ کرتا رہتا ہے اور اپنے بال بچوں کے آرام و آسائش کے لیے مشکل سے مشکل کام کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے لیکن سب سے بہتر انسان وہ ہے جو ذاتی منفعت کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور ملک و قوم کی بہتری اور بھلائی کے لیے اپنی زندگی وقت کر دے۔ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کا بھی یہی شیوہ تھا کہ شب و روز مخلوقِ خدا کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا، اپنا ہو یا غیر، ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونا سب سے بڑا انسانی فرض ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ خوبی کسی میں نہ ہو تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان کہلاتا ہے۔ درحقیقت انسان کی پیدائش کی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ بقولِ شاعر۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ اطاعت کے لیے کم نہ تھے کروبیاں

خدمتِ خلق کا جذبہ اگر ہر انسان کے دل میں پیدا ہو جائے تو دنیا بہشت بن جائے۔ خدمتِ خلق بہترین عبادت ہے۔ خدا ان لوگوں کو بہت عزیز رکھتا ہے جن کے دلوں میں یہ مبارک جذبہ پایا جاتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2005)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ کیوں بنایا؟ (2)

مصنف کے خیال میں انسانی عروج و کمال کی کن خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ (3)

ملک و قوم کی بہتری اور فلاح کے لیے کیا مشورہ دیا گیا ہے؟(4)

خدمتِ خلق کا جذبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مقبول ہے؟(4)

دیے گئے شعر کی تشریح کریں؟(2)

شاہراہِ قراقرم

شاہراہِ قراقرم (یعنی کے کے ایچ) ایک ناممکن سی حقیقت ہے اور اسے بنانا ایک ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ یہاں سڑک نہیں بن سکتی تھی اور نہ ہی بنانی چاہیے تھی لیکن بنا دی گئی اور پھر اسے رواں رکھنے کے لیے ہمہ وقت کوششیں جاری رہتی ہیں۔ انسان بھی کس قدت ڈھیٹ مٹی کا بنا ہوا ہے کہ ایک بار کسی چیز کو کرنے کی ٹھان لے تو پوری طرح اس پر ڈٹ جاتا ہے اور ایک اڑیل بھینسے کی طرح پیشانی جوڑ کر زور لگا تا رہتا ہے۔ یہ سب دیکھنا ہو تو "کے کے ایچ" دیکھ لیجیے۔ یہاں پہاڑوں اور پانی کے مابین غضب ناک کشمکش دکھائی دیتی ہے لیکن انسان نے کمزور ہونے کے باوجود فطرت کے پنجوں میں پنجے ڈال کر اسے زیر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تھاکوٹ سے خنجراب تک چٹانوں، پہاڑوں اور مٹی کی سینکڑوں اقسام ہیں، کہیں یہ لوہے کی طرح سخت اور کہیں ریت کی طرح بھربھری، کہیں بڑے بڑے پتھر ہیں اور کہیں کیچڑ۔ اس کے باوجود انسان نے اپنی سوجھ بوجھ اور محنت سے ان مشکلات پر قابو پا کر یہ سڑک بنا دی ہے جس کی مرمت مستقل جاری رہتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک زمانے میں غیر ملکی ماہرین کو اس علاقے میں بلایا گیا اور کہا گیا کہ وہ سروے مکمل کر کے اپنی تعمیراتی فرموں کی جانب سے تخمینہ بھجوا دیں کہ وہ اس سڑک کی تعمیر کتنے برسوں میں کریں گے اور کتنی لاگت آئے گی۔ ایک جرمن انجینئر ادھر آئے اور ایک جیپ میں ذرا خجل خوار ہوئے، چند روز بھوکے رہے، کچھ پتھر کھائے، ایک بار مرتے مرتے بچے اور پھر اپنی کمپنی کو تار بھجوا دیا کہ "یہ سڑک پاکستانیوں کو ہی بنانے دیں"۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ نہیں بن سکتی اس لیے یہ خود ہی کوشش کر کے دیکھیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2005)

مصنف نے کیوں لکھا کہ شاہراہِ قراقرم "ایک ناممکن سی حقیقت ہے"؟ (2)

"کے کے ایچ" کو بنانے میں کون کون سی مشکلات درپیش تھیں؟ (3)

جرمن انجینئر نے اپنی کمپنی کو کیا مشورہ دیا اور کیوں؟(2)

غیر ملکی ماہرین کو کیا ہدایات دی گئی تھیں؟(2)

گلگت تک پہنچنے میں مسافروں کو کون سی رکاوٹیں پیش ہو سکتی ہیں؟(3)

عبارت میں انسان کی کون سی خصوصیات نمایاں ہیں؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

لاہور

دریائے راوی مشرقی کنارے پر واقع پاکستان کا ایک قدیم تاریخی اور خوب صورت شہر ہے۔گیارھویں صدی عیسوی میں یہاں اسلامی حکومت وجود میں آئی اور شہر نا صرف اسلامی تہذیب و ثقافت بلکہ تجارت اور صنعت و حرفت کا مرکز بھی قرار پایا۔مغلیہ حکومت نے پھر سے اس کی ثقافت، تہذیب و تمدن اور علومِ لطیفہ کو فروغ دیا۔دنیائے ادب کے نامور ستاروں کو جمع کر کے اس میں چار چاند لگا دیے۔انہی خصوصیات کی بنا پر لاہور کو آج نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔

مغلیہ حکومت کی شان و شوکت کے آثار آج بھی لاہور کی سر زمین پر بکھرے ہوئے ہیں۔اس دور کی قدیم عمارات مثلاً شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد، نور جہاں اور آصف جاہ کے مقبرے اور شالا مار باغ نہ صرف سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہیں بلکہ لاہور کی تاریخی اہمیت کے آئینہ دار ہیں۔وزیر خاں مسجد عربی نقاشی اور فنکاری کا بہترین نمونہ ہے۔اس کا شمار آج بھی جنوبی ایشیاء کی خوبصورت ترین عمارات میں ہوتا ہے۔شالا مار باغ کے حسین سبزہ زار، فواروں سے اچھلتا ہو، جھلملاتا صاف شفاف پانی اور حسین بارہ دری ایک دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ حضوری باغ سے متصل مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھی ہے۔کہا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ کے ہمراہ اس کی چار بیویوں کی راکھ دفن ہے۔

لاہور کی زندگی رنگینیوں سے بھرپور ہے۔فوڈ اسٹریٹ اور طرح طرح کے ریسٹورنٹ میں رات گئے تک کھانے پینے کے دور اور فورٹریس اسٹیڈیم میں لیٹ شاپنگ عجیب سماں پیش کرتے ہیں۔لاہور اس چہل پہل کے علاوہ اپنے تہواروں سے بھی ہر شخص کے لیے تفریحِ طبع کا سامان مہیا کرتا ہے۔بسنت ان تہواروں میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔یہ موسم بہار کی آمد کی خوش خبری لاتا ہے۔آسمان پتنگوں سے بھرا نظر آتا ہے۔ہر طرف "وہ کاٹا" کا شور ڈھولوں کی آواز یجیب گہما گہمی کا سماں پیدا کرتی ہے۔اس موقعے پر اب پیلے کپڑے پہننے کا رواج زور پکڑ رہا ہے۔بسنت سے منسوب خطروں مثلاً پتنگیں لوٹتے ہوئے چھتوں سے گرنا اور ڈور سے کٹنا وغیرہ، کے باوجود یہ تہوار بھی مقبول ہو رہا ہے۔(مئی، جون:2006)

اسلامی حکومت کب شروع ہوئی اور اس کی کیا اہمیت تھی؟(2)

لاہور کو بنانے میں مغلیہ حکومت کا کیا ہاتھ ہے؟(3)

موجودہ دور میں لاہور کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟(3)

حضوری باغ کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے؟(2)

بسنت کیوں اور کیسے منایا جاتا ہے؟اس کے منفی پہلو کیا ہیں؟(3)

مصنف کے مطابق لاہور کا ماحول کیسا ہے؟(2)

جسمانی خوبصورتی

ہر شخص اپنی جسامت کے لحاظ سے دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ کوئی فربہ ہے تو کوئی دبلا، کوئی دراز قامت تو کوئی پستہ قد۔ انسان کی جسمانی وضع قطع اور ہیئت کا زیادہ انحصار اس کے والدین پر ہوتا ہے۔ یعنی اس کا ڈیل ڈول اور ناک نقشہ اسے وراثت میں ملتا ہے۔ ورثہ میں ملی ہوئی جسامت کے علاوہ دوسری چیزیں جو جسمانی ساخت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں کھانے پینے کی مقدار، ان کا معیار اور دن بھر میں کی جانے والی مشقت شامل ہیں۔

نظامِ استحالہ (میٹابولزم) جو غذا کو توانائی میں تبدیل کرتا ہے، جسمانی ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے خلیے خذا کو تیزی سے توانائی میں بدلتے ہیں وہ عام ور پر دبلے پتلے رہتے ہیں اور جن کا نظام سست ہے ان کی غذا چربی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ عموماً موٹاپے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ماڈلنگ، فیشن اور فلم انڈسٹری جیسے شعبوں میں مخصوص لوگوں کا چناؤ کیا جاتا ہے جن میں بیشتر دراز قد، دبلے اور پرکشش خدوخال کے ساتھ ساتھ زبردست شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ اخبارات اور رسائل کا رجحان ان خصوصیات کی طرف مائل دیکھ کر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بیشتر اس الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ان کی جسامت رنگت اور ڈیل ڈول نامناسب ہیں لہذا اس پر توجہ دینا لازمی ہے۔ نتیجتاً وہ طرح طرح کے لوشنوں، کریموں اور دوائیوں کا سہارا لیتے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ یہ نہ صرف پیسے کا زیاں ہے بلکہ جلد اور صحت کی بربادی بھی ہے۔

نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خوبصورت نظر آنے کی فکر میں پریشان نہ ہوں۔ جوانی میں وزن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ صحت مند غذا اور ورزش سے اسے صحیح رکھا جاسکتا ہے۔ صحت بذاتِ خود ایک نعمت اور بہت بڑی خوبصورتی ہے۔ (مئی، جون:2006)

جسمانی ساخت کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ (3)

کچھ لوگ کم کھانے کے باوجود کیوں موٹاپے کا شکار ہو جاتے ہیں؟ (3)

فیشن اور فلم انڈسٹری میں کس قسم کی شخصیات کو اہمیت دی جاتی ہے؟(3)

نوجوان نسل کو کس قسم کی الجھنیں درپیش ہیں؟(3)

اچھی صحت کے بارے میں آپ مصنف کی رائے سے کس قدر اتفاق رکھتے ہیں؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

حقوقِ نسواں

اسلام نے جتنا رتبہ اور حقوق عورت کو دیے ہیں وہ آج تک کوئی دوسرا مذہب نہیں دے سکا۔ ہمارے معاشرے کے بنائے ہوئے رسم و رواج اور قاعدے و قوانین نے یہ سارے حقوق پامال کر دیے ہیں۔ عورت اپنی تابعداری اور وفاداری کے وصف کی وجہ سے محکومی کا شکار ہو گئی ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جتنے بھی اسلامی ممالک ہیں وہاں عورتوں کی حالت غیر اسلامی ممالک کے مقابلے میں ابتر ہے۔ اسلام میں عورت کو تجارت، زراعت، لین دین، صنعت و حرفت، درس و تدریس، صحافت و حکومت، غرض کہ زندگی کے ہر میدان میں اپنی صلاحیت کو دکھانے اور فیصلہ کرنے کی پوری اجازت ہے لیکن مردوں نے اس کے سارے حقوق سلب کر کے اس کی مرضی معلوم کیے بغیر تمام تر گھریلو ذمہ داریوں اور فرائض کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔

کئی اسلامی ممالک میں آج بھی عورت کی زندگی کے سارے فیصلے مرد حضرات ہی کرتے ہیں۔ باہر کام کرنے کی اجازت تو در کنار، اسے اپنا جیون ساتھی چننے کی بھی آزادی نہیں۔ کئی علاقوں میں اس بات کو اپنی عزت کا مسئلہ بنا پر عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے جب کہ اسلام میں قتل کبیرہ گناہ تصور کیا جاتا ہے اور ہر کمزور فرد اور طبقے پر ہونے والا ظلم خدا کی نافرمانی میں شمار ہوتا ہے۔

بیشتر ملکوں میں آج بھی مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جہاں بیٹوں کی پیدائش پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے وہاں بیٹیوں کی پیدائش رنگ میں بھنگ ڈال دیتی ہے۔ صرف اس لیے کہ لڑکا مستقبل کا سہارا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات اب غلط ثابت ہو چکی ہے۔ دیکھا جائے تو بیٹیاں ہر معاملے میں والدین پر اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔

پاکستان کے درد مند طبقے نے اس ناانصافی کے خلاد تحریک چلائی اور پاکستان کے چیف جسٹس میاں عبد الرشید مرحوم نے 1955ء میں ایک کمیشن قائم کیا جس میں خواتین کے لیے نئی سفارشات پیش کی گئیں لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ بہر حال 1997ء تک عورتوں کے حقوق میں کافی مثبت تبدیلیاں آئیں۔

مغربی عورت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اگر آپ گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اب تک مرد کا ہی راج ہے۔ باہر کام کرنے میں عورت کو مرد کی نسبت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے مگر تنخواہ کم ملتی ہے چاہے وہ مرد سے ذہنی طور پر زیادہ قابل ہی کیوں نہ ہو۔ (اکتوبر، نومبر: 2006)

اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیے ہیں؟ (3)

مسلمان ملکوں میں عورت کا کیا مقام ہے؟(4)

پاکستان میں عورت کے حقوق کے لیے کیا اقدامات کیے گئے ہیں(2)

مغرب میں عورت کی ترقی کے بارے میں مصنف کا کیا خیال ہے؟(3)

آپ کی رائے میں لڑکی کی نسبت لڑکے کو کیوں ترجیح دی جاتی ہے؟ تین وجوہات بیان کریں۔(3)

منگھو پیر کا میلہ

کراچی سے چند کلو میٹر دور شمالی علاقے منگھو پیر میں سخی سلطان بابا کے مزار کے قریب ہی ایک تالاب ہے جہاں ہر سال مگر مچھوں کا میلہ منایا جاتا ہے۔ اس تالاب میں سو سے اوپر مگر مچھ پائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے جہ یہ مگر مچھ اس زمانے کی یادگار ہیں جب دریائے سندھ یہاں سے گزرتا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کسی بزرگ کی کرامت ہیں۔ اس علاقے کے لوگ انہیں خوشیوں اور خوشحالیوں کا ضامن سمجھتے ہیں۔ اس علاقے کے مکین جو "شیدی برادری" کے نام سے جانے جاتے ہیں، ہر سال اپنی برادری کی خوشی اور خوش نصیبی کے لیے ایک رنگارنگ میلے کا اہتمام کرتے ہیں جس میں دور دور سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں شرکت کے لیے آتے ہیں۔ شیدی برادری کے افراد بنیادی طور پر افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور غلاموں کی حیثیت سے مختلف ادوار میں یہاں آئے تھے۔ آج بھی افریقہ کے کچھ افراد مگر مچھوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی کھالیں پہن کر رقص کرتے ہیں۔

میلے کا سب سے اہم جز مگر مچھوں کے سردار کو گوشت اور حلوہ کھلانا ہے۔ سب سے عمر رسیدہ مگر مچھ کو سردار چنا جاتا ہے اور اسے "مور صاحب" کا لقب دیا جاتا ہے۔ اس کے سر پر سیندور اور عطر لگایا جاتا ہے اور گلاب کے پھولوں کا ہار ڈالا جاتا ہے۔ اس تقریب کے بعد لوگ ایک دوسرے کو گلے مل کر مبارک باد دیتے ہیں اور اجتماعی طور پر دعا مانگتے ہیں کہ اگلے سال تک کا عرصہ خوشحالی میں بسر ہو۔ اس تالاب کے تمام مگر مچھ بے ضرر ہوتے ہیں اور انسانوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتے۔ یہ میلہ چار دنوں تک جاری رہتا ہے۔ یہاں پر جلوس کے افراد دھمال ڈالتے ہیں اس میلے میں پڑھی جانے والی دعائیں اور ان کی ادائیگی کا طریقہ شیدی برادری میں سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

سخی سلطاب بابا کے دربار کے آس پاس کافی قدرتی چشمے پائے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ گرم اور کچھ سرد ہیں۔ انہیں لوگ شفا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میلے میں جانے والے لوگ پہلے گرم پانی پر غسل کرتے ہیں اور پھر سرد پر۔ ان کے عقیدے کے مطابق نہانے والوں کو تمام جلدی بیماریوں اور جزام جیسے موذی مرض سے نجات مل جاتی ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ان چشموں میں گندھک (سلفر) موجود ہے جو جلدی امراض کے لیے فائدہ مند ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2006)

یہ میلہ کب اور کہاں منایا جاتا ہے؟ (2)

شیدی لوگوں کا تعلق کہاں سے ہے اور یہ کس طرح یہاں پہنچے؟ (2)

میلے کے دوران کون سی رسمیں منائی جاتی ہیں؟(4)

مگرمچھوں کے بارے میں کون سی تین روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے؟(3)

لوگ میلے میں خوشی کا اظہار کیسے کرتے ہیں؟(2)

قدرتی چشموں کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال مقامی لوگوں سے کس طرح مختلف ہے؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

مشرقی معاشرے میں رشتے طے کرنے کے مروجہ طریقے

طے شدہ شادیوں کی ریت ابھی تک چلی آرہی ہے جس میں خاندان کے لوگ لڑکی یا لڑکے کا انتخاب کرتے ہیں۔

مغربی ممالک میں یہ شاید عجیب بات سمجھی جائے لیکن انڈیا میں اسے بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ شادی زندگی کا ایک بہت اہم فیصلہ ہے، اس لیے اس کے لیے بہت پلاننگ اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ بیشتر ہندو طلاق پر یقین نہیں رکھتے۔ ایک نوجوان لڑکے یا لڑکی کے لیے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود کرنا مشکل سمجھا جاتا ہے اس لیے گھر والے ایک مناسب ساتھی کی تلاش کرتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ دونوں کی تعلیم، تہذیب، کھانے پینے اور مذہب وغیرہ میں ہم آہنگی ہو اور یہ کہ دونوں کے والدین بھی نزدیک ہی رہائش رکھتے ہوں۔

لڑکے کے بارے میں کافی چھان بین کی جاتی ہے، مثلاً کیا وہ بیوی کا خرچہ اٹھا سکتا ہے، کیا وہ اچھا شوہر اور باپ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، کیا وہ بیوی کو علیحدہ رکھے گا یا فیملی کے ساتھ؟ اگر فیملی میں رہنا ہو تو کیا گھر کی خواتین کی دیکھ بھال صحیح چل رہی ہے؟ کیا گھر ضرورت کے مطابق ہے؟ سب سے اہم یہ کہ خاندان کی عزت اہر کے لوگوں کی نظروں میں کیسی ہے۔

لڑکی کے بھی طور طریقے اور سلیقے کے بارے میں پوچھ کچھ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تصاویر کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پسند آنے پر والدین سے بچوں کی ملاقات کرواتے ہیں۔ زمانہ چونکہ اب بدل رہا ہے اس لیے اب کافی گھرانے لڑکے لڑکی کی ملاقاتیں کراتے ہیں۔ عام طور پر یہ گھر والوں کی نگرانی میں ہوتی ہیں۔

افسوس کہ ابھی بھی کچھ شادیاں زبردستی کی جارہی ہیں اور ایسی بھی جن میں کم سن لڑکیوں کو بوڑھوں سے بیاہ دیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے یا ہونے میں ابھی بھی جہیز جیسی لعنت کا بڑا دخل ہے۔ جہیز لڑکی والے دیتے ہیں یا ان سے مانگا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ برے وقت کی ضمانت ہے۔ لڑکیوں کے والدین تاعمر بچیوں کے لیے پیسے اکٹھے کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کی بیٹی کو سسرال میں تنگی نہ ہو یا طعنے نہ سننے پڑیں۔ لڑکے والے اسے اپنا حق سمجھ لیتے ہیں۔ یہ لعنت کچھ حد تک کم ہو چکی ہے لیکن ابھی بھی بڑے پیمانے پر اس کا لین دین جاری ہے۔ (مئی، جون:2007)

بڑوں کی رائے کیوں ضروری سمجھی جاتی ہے؟ (2)

____

____

____

کن باتوں میں ہم آہنگی تلاش کی جاتی ہے؟ (2)

____

والدین کس قسم کا داماد پسند کرتے ہیں؟(3)

جہیز کو لعنت کیوں قرار دیا جاتا ہے؟(3)

آپ کی رائے میں لڑکے اور لڑکی کی ملاقاتیں ضروری ہیں یا نہیں؟ مناسب وجوہات بیان کریں۔(3)

اہرام مصر

اہرامِ مصر کا شمار دنیا کے مشہور ترین اور حیران کن عجائبات میں ہوتا ہے۔یہ اہرام دراصل مصری بادشاہوں، شہزادے اور شہزادیوں کے مقبرے ہیں۔یہ مثلث کی شکل میں نیچے سے چوڑے اور اوپر سے بتدریج پتلے ہوتے ہوئے ایک چوٹی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔نیچے سے چوڑائی زیادہ ہونے کی ضرورت اس لیے تھی کہ مرنے والے بادشاہ اور ملکہ کا ساز و سامان، ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات اس کے آس پاس رہیں تاکہ دوبارہ جنم لینے پر اسے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اور ضرورت کی ہر اس چیز اس کے پاس موجود ہو۔اوپر سے پتلا رکھنے کی یہ وجہ تھی کہ زندہ ہونے کے بعد احرام کی بلند چوٹی کے ذریعہ سورج دیوتا تک بہ آسانی پہنچ سکے۔

مصری سورج اور بادشاہ دونوں کو دیوتا مان کر ان کی پوجا کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح سورج روز ڈوبتا اور ابھرتا ہے اسی طرح بادشاہ جو دیوتا کے انسانی روپ میں ہیں مر کر زندہ ہو جاتے ہیں۔یہی عقیدہ اہرام مصر کی بنیاد بنا۔چونکہ سورج مغرب میں ڈوبتا تھا اسی لیے سارے اہرام مصرف دریائے نیل کے مغربی کنارے پر تعمیر کیے گئے۔

افسوس کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی تلاش میں دنیا بھر کی اقوام نے اہرام کی کھدائیاں کیں اور انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔سونے چاندی ہیرے جواہرات کے ساتھ بادشاہوں کی لاشیں بھی غائب کر دی گئیں۔

مصری نہ صرف فن تعمیر میں ماہر تھے بلکہ جسم کو ابدی طور پر محفوظ کرنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔لاش کے ان حصوص کو جن کے گلنے سڑنے کا خدشہ ہو جیسے دل، دماغ، آنتیں وغیرہ نکال کر ان جگہوں کو مخصوص مصالحے سے بھرا جاتا تھا۔پھر جسم کے ہر عضو پر قیمتی اور نایاب کپڑوں کی پٹیاں لپیٹ دی جاتی تھی۔بعد ازاں ان مصالحہ شدہ جسموں کو قیمتی تابوتوں میں بند کر کے ان کو اہرام کے شاہی ایوانوں میں رکھ دیا جاتا تھا۔اندر پہنچنے کے راستے کو بھاری سلوں سے اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ راستے کا نام و نشاں تک باقی نہ رہے۔(مئی، جون:2007)

اہرامِ مصر کیا ہیں اور کس لیے بنائے گئے ہیں؟(3)

اہرامِ مصر کو مخصوص شکل دینے کی کیا وجہ تھی؟(2)

اہرامِ مصر کی بنیاد کا مذہبی عقیدے سے کیا تعلق تھا؟(3)

اہرامِ مصر کو کیسے نقصان پہنچا؟(2)

لاشوں کو محفوظ کرنے کے لیے مصری کیا طریقہ استعمال کرتے تھے؟(3)

اہرامِ مصر کے اندر داخل ہونے کا راستہ بند کرنے کا کیا سبب تھا؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

چاند بی بی

چاند بی بی دنیا کی مشہور عورتوں میں سے تھی اور اپنی بہادری کی وجہ سے جانی جاتی تھی۔اس کے بچپن کے بارے میں بہت کم معلومات موجود ہیں۔ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے باپ برہان شاہ اور چچا کو حکومت پر قبضے کے لیے لڑتے ہوئے دیکھا۔برہان شاہ نے اکبر شاہ سے اس سلسلے میں مدد مانگی اور اکبر نے مدد کے لیے اپنی فوج بھیجی لیکن اس دوران چچا کا انتقال ہو گیا اور تخت و تاج برہان شاہ کے ہاتھ آ گیا۔برہان شاہ نے اقتدار حاصل ہونے پر اکبر شاہ کی ماتحتی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔وہ احمد نگر کا چوتھا بادشاہ تھا اور کافی عمر رسیدہ تھا اس لیے کچھ عرصے بعد چل بسا اور اس طرح اقتدار چاند بی بی کے ہاتھ آ گیا۔

احمد نگر ہندوستان کے جنوبی علاقے میں ہے۔اس کی بنیاد عادل شاہ نے رکھی تھی۔اس لیے لوگ اسے عادل شاہی سلطنت بھی کہتے تھے۔اکبر شاہ ان دنوں اپنی سلطنت بڑھانا چاہتا تھا اور دکن فتح کرنا چاہتا تھا جو احمد نگر کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔وہ چاند بی بی کے باپ دادا کی سلطنت پر قبضہ کر کے شاہی خاندانوں کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔چاند بی بی کے خاندان میں عورتیں اور بچے تھے لہٰذا اس نے اکیلے ہی مغل اعظم کی فوج سے ٹکر لینے کی ٹھانی۔اس نے اکبر کی فوج کو بار بار شکست دی اور بڑی دلیری سے لڑی۔وہ ایک پردہ دار خاتون تھی اور کبھی بھی محل سے باہر پردے کے بغیر نہیں نکلی۔اس نے لڑائی بھی برقع اوڑھے میدانِ جنگ میں تلوار سنبھال کر کی اور محل میں عیاشی کی بجائے زرہ بکتر پہن کر دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس کی دلیری، ہمت، لگن اور محنت کو دیکھ کر نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی رات بھر مورچوں پر اس کے ساتھ ڈٹے رہتے۔اس کا پھاٹک رات دن کھلا رہتا تا کہ فریاد لے کر کوئی آئے تو خادمہ اسے فوراً جگا دے۔اسے اپنی رعایا پر پورا بھروسا تھا۔وہ رعایا کے لیے ہر دم مرنے کے لیے تیار تھی۔اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے احمد نگر کی فوج کے کچھ سپاہی محل کے کھلے دروازے کے اندر گھس آئے اور اسے قتل کر دیا۔وہ چاند بی بی جسے اکبر کی فوج شکست نہ دے سکی اس کی اپنی جان اپنی رعایا کے لوگوں نے ہی لے لی۔(اکتوبر، نومبر:2007)

چاند بی بی کی شہرت کی کیا وجہ تھی؟(2)

اکبر بادشاہ کے کیا ارادے تھے؟(3)

لڑائی کے دوران رعایا نے چاند بی بی کا کیسے ساتھ دیا؟(2)

رعایا کو انصاف دلانے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟(2)

چاند بی بی کا لڑائی کے دوران پہناوا کیسا ہوتا تھا؟(2)

لوگوں پر اندھے بھروسے کا کیا انجام ہوا؟(2)

عورت ہونے کی وجہ سے چاند بی بی کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟(2)

وادی ہنزہ

دریائے ہنزہ کے پل پر سے صرف ایک جیپ یا گاڑی گزر سکتی ہے۔ اسے پار کر کے ہی ہنزہ جایا جا سکتا ہے۔ یہ سڑک رفتہ رفتہ بلند ہوتی چلی جا رہی ہے ساتھ ساتھ پہاڑ بھی اونچے نظر آتے ہیں۔ یہاں ماضی میں کافی حادثات واقع ہو چکے ہیں۔ کئی موڑ یہاں ایسے بھی آتے ہیں جن کو مڑنے کے لیے گاڑی کو آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ اس کے گرد حفاظتی پشتے بھی موجود نہیں۔ یہ دنیا کی سب سے خطرناک سڑک سمجھی جاتی ہے۔ یہ تقریباً پچاس ہزار فٹ کی بلندی کا سفر طے کرتی ہے۔ اتنی بلندی سے نیچے جھانکیں تو دنیا کی بلند ترین چوٹیاں نظر آتی ہیں۔

وادی کے درمیان ندی بہتی ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا، صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ یہ وادی پھل دار درختوں سے بھری ہے۔ مرد اور عورت یہاں مضبوط جسامت کے ہوتے ہیں۔ یہاں لوگوں کی عمریں کافی لمبی ہوتی ہیں۔ لوگ بہت محنتی ہیں اور ذہنی پریشانیاں نہیں لیتے۔ سب لوگ مل جل کر کام کرتے ہیں۔

بیٹے کی شادی پر اس کا گھر اس کا باپ بناتا ہے اور اس کے ساتھ ہمسائے مل جل کر کام کرتے ہیں۔ کوئی مر جائے تو پورا ہفتہ سوگ منایا جاتا ہے۔ مرگ والے گھر کھانا نہیں بنتا، عزیز یا ہمسائے کھانا لاتے ہیں۔ غرضیکہ ہر کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

بِلتِت نامی گاؤں سے گزرتے ہوئے بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ملکہ وکٹوریہ کی یادگار ہے۔ یہ بارہ فٹ لمبی اور چوڑی ہے اور نو فٹ اونچی ہے۔ اسے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ انگریزوں نے یہ علاقہ 1891 میں فتح کیا تھا اور اس وقت ملکہ وکٹوریہ حکمران تھیں۔

وادی میں گلیشئر کا پانی دیہاتوں، کھیتوں اور باغوں کو زیرِ آب کرتا ہے۔ سردیوں میں یہاں خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ گرمیوں میں لوگ گلیشئر کے پانی پر انحصار کرتے ہیں جو گرمی سے پگھلتا ہے۔ اس پانی میں بہت سی دھاتیں ہیں جن کی وجہ سے درختوں اور فصلوں کو کیڑا نہیں لگتا۔ یہاں کی فضا صاف اور آلودگی سے پاک ہے۔

بجلی اور گیس کا کوئی انتظام نہیں اس لیے لوگ شام ہوتے ہی سو جاتے ہیں اور یہی ان کی صحت کا راز ہے۔ سونے سے پہلے کھانا نہیں کھاتے۔ سورج ڈوبتے وقت کھاتے ہیں۔ وہ شکر کا استعمال نہیں کرتے اور شہد سے کام چلاتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2007)

یہ دنیا کی سب سے خطرناک سڑک کیوں سمجھی جاتی ہے؟ (4)

لوگ غمی و خوشی میں کس طرح ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں؟(3)

کیسے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں کا اس علاقے سے تعلق رہا ہے؟(1)

پانی کہاں سے مہیا ہوتا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟(3)

وہاں کا رہن سہن شہر کی آسائشوں سے کس طرح مختلف ہے؟(1)

یہاں کے لوگوں کی صحت کا راز کیا ہے؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

ٹیلی ویژن کے منفی اور مثبت پہلو

ٹیلی ویژن ایک مفید ایجاد ہے لیکن اس کے کئی پروگرام بچوں کی ذہنی نشو نما پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں مصروف ہونے پر وہ آپس کے لڑائی جھگڑوں سے نجات پاتے ہیں۔ بچوں کا شور ان کے کام میں دخل انداز ہوتا ہے اور کھیل کود کے درمیان بچوں پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ بچوں کو ٹی وی پروگراموں میں مصروف رکھا جاتا ہے جو نہ صرف بچوں کی شخصیت نگاڑتے ہیں بلکہ زندگی کے لیے بہت بڑا خطرہ بھی ہیں۔

کم عمری میں ہی ان کو سنوارا جاسکتا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ ہاتھ ماں باپ کا ہوتا ہے۔ ماہر سماجیات کا کہنا ہے کہ بچے کو اچھے طور طریقے سمجھانے میں والدین کے بعد عزیزوں، ہمسائیوں، اساتذہ اور دوستوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ میڈیا سب سے آخر میں آتا ہے لیکن والدین کو ضروریات نے اپنا اس قدر غلام بنا لیا ہے کہ بچوں کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مواقع فراہم نہیں کر سکتے۔ والدین سے رابطہ کم ہونے کی صورت میں وہ ٹی وی کا سہارا لیتے ہیں۔ ٹی وی پر معلوماتی کم اور تشدد آمیز پروگرام زیادہ دکھائی دیتے ہیں حتیٰ کہ کارٹون جیسے پروگراموں میں بھی تشدد اور مار پیٹ دکھائی جاتی ہے۔ انہیں دیکھ کر بچے کو ہر مسئلے کا حل تشدد ہی نظر آتا ہے۔

پاکستانی چینل بھی اب مغربی چینلوں کی تقلید میں منفی کرداروں کی کامیابی دکھاتے ہیں۔ اس سے جارحیت پروان چڑھتی ہے۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، ہمدردی، عاجزی اور صبر جیسی اقدار بے معانی لگتی ہیں۔ بچوں کو ٹی وی سے روکنا نہیں چاہیے کیونکہ جس کام سے انہیں منع کیا جائے وہ وہی کام کرتے ہیں۔ ٹی وی دیکھنے کا وقت متعین ہونا چاہیے۔ بیڈ روم سے ٹی وی ہٹا لینا چاہیے۔ ان کے ساتھ خود بیٹھ کر معلوماتی پروگرام دیکھیں اور بچوں کو معلوماتی کہانیاں پڑھنے عادت ڈالیں۔ (مئی، جون: 2008)

والدین ٹی وی کو نجات کا ذریعہ کیوں سمجھتے ہیں؟ (3)

بچوں پر کون سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ (4)

والدین کے علاوہ دیگر رشتوں کا ذکر کیوں کیا گیا ہے (2)

بچوں کی صحیح نشو و نما کے لیے والدین کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ (3)

مصنف نے یہ کیوں لکھا کہ "بچوں کو کم عمری میں سنوارا جا سکتا ہے"؟ (3)

امریکہ کی پہلی خاتون ڈاکٹر

الزبیتھ بلیکویل پہلی خاتون تھیں جنہوں نے امریکہ میں طب کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے عورتوں کے لیے طب کی تعلیم کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس پیشے کو اپنانے میں کافی عورتوں کی مدد کی۔ الزبتھ تاریخ اور طبیعات جیسے مضامین میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ انہیں طب کے پیشے سے قطعاً لگاؤ نہیں تھا بلکہ جسم کے اعضاء، بیماریوں اور چیر پھاڑ کے تصور سے بھی گھن آتی تھی۔ اس لیے انھوں نے درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا جو اس وقت عورتوں کے لیے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے میڈیکل کے شعبے میں جانے کی وجہ ان کی قریبی دوست کے آخری الفاظ "اگر میری فزیشن عورت ہوتی غالباً مجھے اتنی تکلیف نہ دیکھنی پڑتی" نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا اور انھوں نے اس شعبے کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سلسلے میں انھوں نے مختلف فزیشنوں سے مشورہ کیا۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ یہ ممکن نہیں۔ پہلی وجہ تو آسمان کو چھوتے ہوئے اخراجات اور دوسری وجہ عورتوں کا اس شعبے میں داخلہ ناقابل قبول تھا۔ انھوں نے اس بات کو چیلنج سمجھا اور بعد میں ڈاکٹروں کو جو ان کے دوست تھے، اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایک سال تک انہیں اپنے ساتھ طب پڑھنے کی اجازت دیں۔ ساتھ ہی انھوں نے نیویارک اور فلاڈیلفیا کے تمام میڈیکل کالجوں میں درخواستیں دے دیں۔ آخر کار 1847 میں جنیوا میڈیکل کالج نے یہ سمجھتے ہوئے کہ دوسرے طلباء کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ کوئی عورت ان کے ساتھ پڑھے، مذاق کے طور پر ہاں کہہ دی۔ جس کا بعد میں انہیں پچھتاوا ہوا۔

دو سال بعد انھوں نے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد لندن اور پیرس کے کلینکوں میں کام کیا۔ بد قسمتی سے کسی مریض سے انہیں آنکھوں کی بیماری لگی اور ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ ان کے سرجن بننے کے خواب ادھورے رہ گئے اور وہ نیویارک واپس لوٹ گئیں۔

وہاں انھوں نے پریکٹس قائم کی لیکن بہت کم مریض تھے اور دوسرے ڈاکٹر ان سے گفتگو میں پرہیز کرتے تھے جن سے انہیں تجربہ حاصل کرنے کی امید تھی۔ بعد میں دوستوں کی مدد سے انھوں نے ڈسپنسری کھولی جو ایک کرائے کے کمرے میں تھی۔ تین سال بعد انھوں نے اپنی بہن ایملی اور ایک ڈاکٹر کے ساتھ نیویارک انفرمری کی بنیاد ڈالی جہاں خواتین ڈاکٹروں کی تعلیم کے علاوہ غریبوں کا علاج بھی کیا جاتا تھا۔ (مئی، جون: 2008)

الزبیتھ بلیک ویل کیوں مشہور ہیں؟ (2)

وہ طب کا پیشہ کیوں نہیں اپنانا چاہتی تھیں؟ (1)

الزبتھ کی دوست کے آخری الفاظ نے ان کی زندگی پر اتنا اثر کیوں ڈالا؟(3)

داخلہ لینے میں کون سی مشکلات درپیش تھیں؟(2)

نیویارک لوٹنے کی کیا وجہ تھی؟(2)

نیویارک انفرمری نے کون سی خدمات سرانجام دیں؟(2)

آپ کی رائے میں یہ پیشہ عورتوں کے لیے کیوں نامناسب سمجھا جاتا تھا؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ نمبر:

دستخط استاد:

ملکہ قلوپطرہ

قلوپطرہ کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔ فلموں اور رومانوی ناولوں نے اسے ایک حسین ملکہ کے روپ میں پیش کیا ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شکل وصورت تو اس کی معمولی تھی لیکن خداداد ذہانت اور علمی قابلیت نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے۔ فلسفہ، ادب، موسیقی، مصوری اور طب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے چھ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ اپنے انداز گفتگو سے دوسروں کا دل موہ لیتی تھی۔ حکومت کی باگ دوڑ سنبھالتے ہی اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دریائے نیل میں پانی کم ہونے کے باعث ملک کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی اس کے زوال کا سبب بنا۔ اس کے بھائی نے جو مصر پر تنہا حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا، رعایا کو قلوپطرہ کے خلاف کر کے اسے مصر چھوڑ کر شام جانے پر مجبور کر دیا۔ رومی حکمران سیزر نے مصر میں داخل ہوتے ہی قلوپطرہ اور اس کے بھائی کو حاضری کا حکم دیا۔ اس کا مقصد ان دونوں میں مصالحت کروانے کا تھا۔ قلوپطرہ کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس کا بھائی اس کو قتل کرنے کی پوری کوشش کرے گا، اس لیے اس نے خود کو ایک قالین میں لپیٹ کر اپنے آپ کو سیزر کے سامنے پیش کیا۔ جس انوکھے انداز سے وہ قالین میں سے نکلی اسے دیکھ کر سیزر مسحور ہو گیا۔ قلوپطرہ کو جب سکون سے حکومت کرنے کا موقعہ ملا تو اس نے اپنے رفاہی کاموں سے رعایا کا دل جیت لیا۔ کسانوں کے ٹیکس معاف کیے جس سے کاشت میں اضافہ اور ملک کی خوشحالی میں استحکام ہوا۔ عوام کا خلوص اور وفاداری حاصل کرنے کے لیے اس نے عوامی زبان میں گفتگو کو اپنایا۔ پہلے حکمران ایسا نہیں کر پائے۔

اپنے شوہر انٹونی کی موت کے بعد زندگی سے دل برداشتہ ہو کر کئی دفعہ اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ آخر کار اس مقصد کے لیے اس نے خود ایک زہریلے سانپ کا انتخاب کیا جو اس کی موت کا سبب بنا۔ (اکتوبر، نومبر: 2008)

فلموں اور کہانیوں میں اس کا جو تاثر ملتا ہے وہ حقیقت میں اس سے کس حد تک مختلف تھی؟ (2)

دریائے نیل میں پانی کی کمی کا اثر ملک اور ملکہ دونوں پر کیسے پڑا (3)

سیزر نے قلوپطرہ کو کیوں بلوایا اور اس کے آنے کا اس پر کیا اثر پڑا؟(2)

اس نے کس طرح اپنی رعایا کا دل جیتا؟(3)

اس کی خودکشی کی کیا وجہ تھی اور کس طرح اس میں کامیاب ہوئی؟(2)

عبارت سے آپ کو قلوپطرہ کی شخصیت کا کیا تاثر ملتا ہے؟(3)

ذہنی تفریح کے قدیم اور جدید ذرائع

زمانہ قدیم سے انسان تفریح کا سامان ڈھونڈتا آیا ہے۔ پہلے زمانے میں گاؤں کے لوگ رات کا کھانا کھا کر دن بھر کی تھکن دور کرنے چوپال میں جمع ہو جاتے تھے۔ ماہر قصہ خواں موجود ہوتا تھا، کہانیاں سنائی جاتی تھیں۔ کچھ فرضی ہوتی تھیں اور کچھ حقیقی۔ پشاور کا قصہ خوانی بازار آج بھی بیتے دنوں کی یاد دلاتا ہے۔

رات کو بچے سونے سے پہلے دادی اماں کے گرد گھیر اڈالتے۔ کہانی کی شروعات "کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ ہمارا تمھارا خدا بادشاہ" ننھے منے بچوں کے دلوں میں اشتیاق اور تجسس کی لہر دوڑا دیتی۔ کہانی خواہ فرضی ہو یا اصلی، دادی اماں کی زبان ہو یا قصہ خواں کی، ایک بات طے تھی کہ اچھائی کا انعام اور برائی کی سزا ضرور ملے گی۔ اس طرح کہانی نہ صرف ذہنی تفریح مہیا کرتی بلکہ اصلاحی پہلو بھی رکھتی تھی اور ایک دوسرے کو قریب لانے کا ذریعہ بھی بنتی تھی۔

پھر کہانیوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ تھیٹر، فلمیں اور ٹیلی ویژن وجود میں آئے اور اب کمپیوٹر کا دور ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ لگتا ہے پوری دنیا ایک ڈبے میں سمٹ آئی ہو۔ کسی بھی قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہیں، بحث مباحثہ میں حصہ لینا چاہیں، پیغام بھیجنا یا راستہ معلوم کرنا چاہیں، صرف بٹن دبانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کے لیے بھی نہ صرف معلوماتی بلکہ دماغی نشوونما اور سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں بڑھانے والے گیمز ہیں۔

اس کے ساتھ نقصانات کی فہرست بھی طویل ہے۔ مسلسل استعمال سے خصوصاً بچوں میں جسمانی نقائص پیدا ہونے اور بینائی پر اثر پڑنے کے قوی امکانات ہیں۔ بچے ان کے تجربات سے بھی محروم رہتے ہیں جو ان کی نشوونما کا اہم حصہ ہیں، مثلاً ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود، کتابوں کا مطالعہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ غلط ویب سائٹس اخلاقی اقدار و کردار پر بھی منفی اثرات ڈالتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نئی ایجادات فائدہ مند کم اور نقصان دہ زیادہ ثابت ہوتی ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2008)

گاؤں کے لوگوں کی تفریح کا کیا ذریعہ تھا؟ (2)

کہانیاں اصلاحی پہلو کس طرح رکھتی تھیں؟ (2)

قصہ خوانی کا فن کیوں ختم ہوا؟(2)

کمپیوٹر کو حیرت انگیز ایجاد کیوں کہا گیا ہے؟ کوئی تین باتیں لکھیں۔(3)

کمپیوٹر بچوں کی نشو و نما پر کیا منفی اثرات ڈال سکتا ہے؟(3)

نئی ایجادات کے بارے میں مصنف کی رائے سے آپ کس حد تک متفق ہیں؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

چین میں خاندانی منصوبہ بندی

آبادی کے لحاظ سے چین دنیا میں اول نمبر پر آتا ہے۔ چین کے سربراہ ماؤزے تِنگ کا یہ نظریہ تھا کہ زیادہ بچے پیدا کرنے میں ہی ملک کی ترقی کا راز ہے۔ یہی وجہ ہے چین کی بے تحاشا آبادی کا سبب بنی۔ رفتہ رفتہ آبادی اس قدر بڑھ گئی کہ اس پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور 1970 میں ایک قانون بنا دیا گیا جس کے تحت صرف ایک بچہ پیدا کرنے کی اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ خلاف ورزی کرنے پر بھاری جرمانہ ادا کرنا ہو گا۔ اس ڈر سے کئی عورتوں کو حمل ضائع کرانے پڑے۔ حکومت کو یہ معلوم ہونے پر کہ دوسرا بچہ پیدا ہونے والا ہے، والدین کو تین دن کے اندر جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا جاتا اور جرمانہ ادا نہ ہونے کی صورت میں بچے کے خاندان کی تمام جمع پونجی پر قبضہ کر لیا جاتا اور یہ سلسلہ آج بھی چلتا آ رہا ہے۔ بہت حال وہ کسان جو کھیتی باڑی کرتے ہیں ان کے لیے اکیلے یا ایک بچے کے ساتھ کام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ انہیں حکومت کی طرف سے دوسرا بچہ پیدا کرنے کی اجازت ہے۔

یہ قانون انسانی حقوق کی پامالی کرتا ہے۔ بیشتر لوگ اس سسٹم سے نالاں ہیں۔ اس سلسلے میں کافی شہروں میں فساد بھی ہوئے ہیں جن میں حکومت کے افسران کو نا صرف گالیاں دی گئیں بلکہ ان کی پٹائی بھی کی گئی اور ان کی گاڑیاں الٹا دی گئیں۔ کہیں کہیں سرکاری عمارتوں کو آگ بھی لگائی گئی۔ اس قانون کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ چین میں 50 سال سے زائد عمر کے لوگوں کی تعداد زیادہ اور 25 سال سے کم عمر لوگوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ اس سے وقتی طور پر ہی سہی، معیشت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

پوری دنیا کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ خیال ہے کہ 2025 تک انڈیا کی آبادی چین سے کہیں زیادہ ہو جائے گی جو بے روز گاری میں اضافہ اور وسائل میں کمی کا سبب بنے گی اور زیادہ آبادی والے ممالک کی گزر بسر امیر ملکوں کی امداد پر ہے۔ (مئی، جون: 2009)

چین کی آبادی اتنی تیزی سے کیوں بڑھی؟ (2)

____

____

____

____

آبادی کی روک تھام کے لیے کیا قوانین بنائے گئے؟ (3)

____

____

کن حالات میں ایک سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اجازت دی گئی؟(2)

آبادی کی روک تھام پر لوگوں کا کیا ردعمل تھا؟(2)

اس قانون سے چینی معیشت کو کس طرح نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے؟(3)

آپ کے خیال میں کسی بھی ملک کی آبادی بڑھنے سے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں؟(3)

نورِ جہاں

نورِ جہاں مغلوں کے شاہانہ دور کی ایک ملکہ تھیں۔ وہ اپنے وقت میں بڑا اثر و رسوخ رکھتی تھیں۔ 1611 سے 1627 تک مغل حکومت کی شان و شوکت کو فروغ دینے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ ان کا اصلی نام مہر النساء تھا اور وہ 1577 میں افغانستان کے ضلع قندھار میں پیدا ہوئیں۔ ان کا خاندان ایران سے تعلق رکھتا تھا جو بعد میں ہجرت کر کے انڈیا آیا اور پھر وہیں مقیم ہو گیا۔

ان کی پہلی شادی شر افگن علی قلی خان سے ہوئی تھی جو ایک فوجی تھا۔ اس وقت ان کی عمر 17 سال کی تھی۔ اس شادی سے ان کی لاڈلی بیگم پیدا ہوئیں۔ بد قسمتی سے 1607 میں علی قلی کی وفات ہو گئی۔ اس دوران جہانگیر نے تخت سنبھالا اور پھر اچانک ان کی ملاقات ایک مینا بازار میں مہر النساء سے ہوئی۔ نظر پڑتے ہی جہانگیر ان کے بے پناہ حسن کے دیوانے ہو گئے۔ ایک ہی سال میں دونوں نے شادی کر لی اور وہ ان کی پسندیدہ بیگم بن گئیں۔ جہانگیر پیار سے انہیں نورِ محل بھی کہتے تھے۔

جہانگیر نے انہیں شاہی مراعات سے رکھی تھیں جن کی بنا پر وہ ریاست کے امور میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ جہانگیر کے نشہ کرنے کی وجہ سے انھوں نے حکومت کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس دور میں مغل بادشاہوں کو پھلنے پھولنے کا شاندار موقع ملا۔ اس وقت کے سکے پر بھی نور جہاں کا نام چلنے لگا۔ آگرہ کو معاشی اور معاشرتی ترقی کا گڑھ تصور کیا جانے لگا۔ عورتوں کے معاملات ہوں یا ریاست کے، انھوں نے ہر طرف اپنا لوہا منوایا۔ ان کے وقت میں شاعری پروان چڑھی اور ایرانی تہذیب کو فروغ ملا۔ خوشبو بنانے سے لے کر زیورات کے نت نئے ڈیزائن اور قیمتی ملبوسات کے نئے انداز نور جہان کی صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ مصوری اور خوبصورت باغات کی تخلیق کا سہرا بھی ان کے سر ہے۔

ان کی بے پناہ مقبولیت اور ملکی معاملات میں مداخلت کے ڈر سے جہانگیر کی وفات کے بعد نور جہاں کے سوتیلے بیٹے خرم (شاہ جہاں) نے انہیں نظر بند کر دیا لیکن اس دور میں بھی وہ باغات کی تخلیق کے کاموں میں مصروف رہیں۔ (مئی، جون: 2009)

نور جہاں کس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور کہاں پیدا ہوئیں؟ (2)

جہانگیر سے ان کی ملاقات کس طرح ہوئی اور اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ (2)

وہ ریاست کے امور میں کس طرح حصہ لیتی تھیں اور اس کی کیا وجہ تھی؟(2)

نور جہاں سیاست کے علاوہ اور کن چیزوں میں دلچسپی تھیں؟(4)

نور جہاں نہ ہوتیں تو آگرہ کن چیزوں سے محروم ہو جاتا؟(3)

نور جہاں کو نظر بند کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ نمبر:

دستخط استاد:

کینڈا

کینڈا ایک مملکت ہے جس کی حکمران بھی انگلستان کی ملکہ الزبتھ دوئم ہیں۔روس کے بعد کینڈا دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔شمالی امریکہ کا بڑا حصہ کینڈا کی سرحد سے ملتا ہے اور بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک پھیلا ہوا ہے۔پندرھویں صدی میں اس کے کچھ حصوں میں قبائلی لوگ آباد ہوئے۔بعد میں برطانوی اور فرانسیسی لوگوں نے بحر الکاہل کی جانب قدم اٹھایا اور وہاں آباد ہونا شروع ہو گئے۔یہ لوگ یہاں ہر طرح کی معلومات اکٹھی کرنے آئے تھے۔1868 میں کینڈا نے اپنا وجود تین کالونیوں سے شروع کیا اور اپنی آزاد حیثیت فرانس اور برطانیہ سے سات سال کی جنگ کے بعد منوائی۔

کینڈا میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور یہاں کئی تہذیبوں کے لوگ آباد ہیں۔انگریزی اور فرانسیسی دونوں یہاں کی قومی زبانیں ہیں۔ملک کی معیشت کا انحصار زیادہ تر قدرتی ذرائع اور امریکہ سے تجارت کے لین دین پر ہے۔امریکہ سے کینڈا کا پرانا مگر پیچیدہ رشتہ ہے۔ذرائع کے لحاظ سے کینڈا سعودی عرب کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔دونوں کے پاس تیل اور قدرتی گیس کے ذرائع ہیں اس کے علاوہ کینڈا میں گندم اور دوسری اجناس بھی کافی مقدار میں کاشت ہوتی ہیں۔یہاں پیتل، پلوٹونیم، سیسہ، جست اور یورینیم جیسی دھاتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

دنیا کا دو تہائی پانی کینڈا میں پایا جاتا ہے۔دنیا کی دس بڑی جھیلوں میں سے چھ وہاں واقع ہیں۔امریکہ سے بہت سے لوگ بڑی مقدار میں پانی بوتلوں میں بھر کر یہاں سے لے جاتے ہیں۔اب پانی میں آلودگی شروع ہوگئی ہے لیکن حکومت اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کر رہی۔چونکہ کافی مقدار میں پانی، گیس اور تیل نکالنے میں مصروف ہو رہا ہے اس لیے مویشیوں اور کاشت کے لیے کم پڑ رہا ہے۔یہی وجہ اکثر قتل وغارت اور جھگڑوں کا سبب بنتی ہے۔ہمارا یہ خیال ہے کہ پانی کے ذرائع لامحدود ہیں، صحیح نہیں ہے۔یہ کہا جاتا ہے کہ 2025 تک دنیا میں پانی کی مانگ مزید 56 فیصد بڑھ جائے گی اور اس کا اثر دنیا کی دو تہائی آبادی پر پڑے گا۔(اکتوبر، نومبر: 2009)

کینڈا کی آبادی کا سلسلہ کب اور کن لوگوں نے شروع کیا؟(2)

کینڈا نے اپنی آزاد حیثیت منوانے کے لیے کن ملکوں کے خلاف جدوجہد کی؟(1)

یہاں زیادہ تر کون سی زبانیں بولی جاتی ہیں؟(2)

کینیڈا کا نام سعودی عرب کے بعد دوسرے نمبر پر کیوں آتا ہے؟(3)

یہاں سب سے زیادہ تازہ پانی پائے جانے کی وجہ کیا ہے؟(1)

کینیڈا میں آج کل پانی کی کمی کی کیا وجوہات ہیں اور ان کے کیا اثرات ہیں؟(4)

آپ کے خیال میں پانی کی مانگ بڑھنے سے دنیا کی آبادی پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟(2)

حفظانِ صحت اور مسلمان

یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ مسلمانوں نے دنیا کو نہ صرف سائنس اور ٹیکنالوجی بلکہ انواع و اقسام کی غذاؤں اور مشروبات سے بھی روشناس کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی ایتھوپیا کے علاقے میں خالد نامی ایک عرب چرواہے نے محسوس کیا کہ ایک خاص قسم کی بیریاں کھانے کے بعد اس کی بکریوں میں بڑی چستی اور پھرتی آجاتی ہے۔ ان بیریوں کو ابال کر پینے سے اس نے اپنے آپ میں بھی بڑی چستی اور پھرتی محسوس کی۔ یہ کافی کی ابتداء تھی۔ بعد میں یمن پہنچنے پر صوفی حضرات میں کافی کا استعمال عام ہوا کیونکہ اسے پینے کے بعد وہ رات گئے تک جاگ کر عبادت کر سکتے تھے۔ ایک ترکی مسلمان پسکا روزی نے لندن میں پہلا کافی ہاؤس لمبارڈ اسٹریٹ میں کھولا۔ آج کل کافی نہ صرف لوگ خود شوق سے پیتے ہیں بلکہ مہمانوں کی تواضع بھی اکثر اسی سے کی جاتی ہے۔ جگہ جگہ نہ صرف کافی ہاؤس کھل چکے ہیں بلکہ اکثر دفتروں میں بھی اس کی مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ عرب کے ریگستانوں میں جب موسمی چشمے خشک ہو جاتے تھے تو مکئی پیسنے اور آب پاشی کے مسئلے کے حل کے طور پر 734ھ سے چلنے والی چکیاں بنائی گئیں جو پانچ سو سال بعد یورپ پہنچیں۔

دسویں صدی میں ایک مسلمان سرجن الزہروی نے دریافت کیا کہ جانوروں کی آنتوں سے بنے دھاگے جو کچھ عرصہ بعد خود ہی گل جاتے تھے، نہ صرف زخم سینے بلکہ دوا کے کیپسول بنانے میں بھی کام آسکتے ہیں۔

935ء میں ایک مصری حکمران نے ایسا قلم بنانے کا حکم دیا جس سے اس کے ہاتھ اور کپڑے دھبوں سے محفوظ رہیں۔ اس طرح فاؤنٹین پین وجود میں آیا جس میں روشنائی اپنے خانہ سے کشش ارضی کے ذریعے قلم تک پہنچتی ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2009)

خالد کو بیریوں میں کیا خاص بات نظر آئی؟ (2)

صوفی حضرات کو کافی پینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ (2)

لندن میں کافی پینے کا آغاز کیسے ہوا اور آج کل اس کی مقبولیت کا کیا عالم ہے؟ (3)

ٹیکنالوجی کے حوالے سے ہوائی چکیوں کی اہمیت بیان کریں۔ (2)

زخم کے لیے الزہروی نے کیا چیز استعمال کی اور کیوں؟ (2)

فاؤنٹین پین کب اور کیوں وجود میں آیا اور یہ کس طرح کام کرتا ہے؟ (4)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

بینکاک

بینکاک بہت پرانا شہر اور تھائی لینڈ کا دارالخلافہ ہے۔ پچھلے دو سو سالوں سے جنوب مشرقی ایشیاء کا معاشی، معاشرتی اور تجارتی مرکز رہا ہے۔ اس وجہ سے اس کی آبادی باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو ملا کر تقریباً پندرہ کروڑ ہے۔ یہ شہر سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بھی ہے۔ اس ملک کی پانچ فیصد آمدنی سیاحوں کی آمد و رفت کی وجہ سے ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کا باعث نہ صرف شہر کی پرانی، تاریخی، مذہبی عمارتیں، شاہی محل اور خواب صورت مناظر ہیں بلکہ بے شمار شاپنگ مال بھی ہیں۔ ٹھیلوں اور چھوٹی دکانوں سے لیکر بڑے بڑے سٹور ہیں جہاں سب کچھ دستیاب ہے۔

شہر کے درمیان اور اردگرد نہروں کا جال بچھا ہے۔ سطح سمندر سے صرف چھ فٹ اونچا ہونے کی وجہ سے بارشوں میں سیلاب کا خطرہ رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمین کی سطح ہر سال دو انچ نیچے جا رہی ہے جس کی وجہ سے 2025 تک شہر کے پانی میں ڈوب جانے کا قوی امکان ہے۔ بینکاک کی بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ کئی مسائل بھی پائے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ آلودگی ہے جو سڑکوں پر بے انتہا کاروں کی وجہ سے ہے۔ حال ہی میں جگہ جگہ پارک بنانے کی وجہ سے فضا پہلے کی نسبت کافی حد تک بہتر ہو چکی ہے۔ غیر قانونی چیزوں کی روخت یہاں عام ہے جن میں فلموں کی نقل شدہ کاپیاں اور کمپیوٹر کے سافٹ ویئر شامل ہیں۔ ایسا ہونے میں پولیس کی نااہلی کا عمل دخل ہے۔ سیاحوں کی جیبیں کٹنا بھی عام ہے۔ سب سے سنگین مسئلہ نشہ آور اشیاء کا غیر قانونی دھندہ ہے جو سزائے موت جیسے سخت قوانین کے باوجود بھی جاری ہے۔ (مئی، جون:2010)

بینکاک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی کیا وجوہات ہیں؟ (2)

سیاحت کے روغ کا باعث کون سی چیزیں ہیں اور ان کے معیشت پر کیا اثرات ہیں؟ (4)

بینکاک کے لوگ بارشوں سے کیوں پریشان ہیں؟(2)

نئے پارک بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟(2)

غیر قانونی دھندوں کو کنٹرول کرنا کیوں مشکل ہو رہا ہے اور حکومت نے منشیات کے خلاف کیا اقدامات کیے ہیں؟(2)

یہ اقتباس پڑھنے کے بعد آپ بینکاک جانا پسند کریں گے؟ تین وجوہات بیان کریں۔(3)

انار کلی اور سلیم

انار کلی اور سلیم کے عشق کی داستان فرضی ہے یا حقیقی؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان کے پیار، انار کلی کی خوبصورتی اور مظلومیت پر بے شمار کتابیں اور ڈرامے لکھے گئے اور کئی مقبول فلمیں بھی بنیں۔ انار کلی کی ماں اکبر کے محل میں ایک کنیز تھی۔ انار کلی کا اصلی نام نادرہ تھا لیکن اس کی بے پناہ خوبصورتی سے متاثر ہو کر اکبر نے اسے انار کلی کے خطاب سے نوازا تھا۔ شہزادہ سلیم اکبر اور جودھا کا بگڑا ہوا لاڈلا بیٹا اور ہندوستان کے تخت و تاج کا واحد وارث تھا۔ اکبر نے اس کی تربیت کرنے کے لیے اسے ان تمام اطوار سے سنوارنے کے لیے جو ہندوستان جیسی عظیم سلطنت کے ہونے والے بادشاہ کے لیے لازمی تھے، اسے فوج میں بیج دیا۔ 14 سال کے بعد سلیم کی واپسی پر خوب جشن منائے گئے۔ محل میں انار کلی کے مجرے کی تقریب رکھی گئی۔ سلیم پہلی ہی نظر میں اس پر فدا ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انار کلی کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔ چونکہ انار کلی کی حیثیت محض ایک کنیز اور رقاصہ کی تھی اور اسے ہندوستان کی ملکہ بنانے کا تصور بھی محال تھا، اکبر نے سلیم اور انار کلی کے ملنے پر پابندی لگا دی۔ سلیم کی نافرمانی سے اکبر نے طیش میں آ کر انار کلی کو قید میں ڈلوا دیا۔ سلیم نے اکبر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اکبر نے اپنی عظیم فوج اور لاتعداد جنگی ساز و سامان کے بل بوتے پر اس بغاوت کو کچل دیا اور شہزادے سمیت اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے سزائے موت کا حکم دنا دیا۔ انار کلی جسے سلیم کے وفادار ساتھیوں نے قید سے رہا کروا کر روپوش کر دیا تھا، یہ خبر سن کر رہ نہ سکی اور اکبر کے حضور اپنے آ ُکو پیش کر کے اپنی زندگی کے بدلے میں سلیم کی زندگی کی بھیک اور ساتھ ہی چند لمحے گزارنے کی مہلت مانگی۔ سلیم اس خوش فہمی میں تھا کہ بادشاہنے اسے اور انار کلی کو معاف کر دیا ہے لیکن وعدے کے مطابق انار کلی اسے بے ہوش چھوڑ کر چلی گئی۔ ایک روایت کے مطابق بادشاہ نے اس کی جان بخش دی اور اس کی ماں کے ساتھ خفیہ راستے سے شہر کے باہر بھجوا دیا اور سلیم کے لیے انار کلی کو دیوار میں چنوانے کا ڈھونگ رچایا۔ لاہور میں آج بھی ایک مزار اور اس کے نزدیک ہی جنوبی ایشیا کا مشہور اور قدیم بازار انار کلی کے نام سے مشہور ہے۔ (مئی، جون: 2010)

اردو ادب میں انار کلی کو کس قسم کے کردار میں پیش کیا گیا ہے؟ (2)

شہزادہ سلیم کو کتنے عرصے کے لیے فوج میں بھیجا گیا اور کیوں؟ (3)

سلیم نے انارکلی کو کس موقع پر دیکھا اور اس کا اس پر کیا اثر ہوا؟(2)

سلیم کی بغاوت کی کیا وجہ تھی اور اس کے کیا نتائج نکلے؟(3)

انارکلی نے اپنے پیار کے لیے کیا کچھ کیا؟ تفصیل سے لکھیں۔(4)

ڈھونگ رچانے سے کیا مراد ہے؟(1)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ نمبر:

دستخط استاد:

قدرتی آفات

سیلاب ایک ایسی قدرتی آفت ہے جس سے ماضی میں دنیا کے کئی ممالک متاثر ہوئے ہیں۔ ایسا ہی ایک سیلاب 2007ء میں میکسیکو میں آیا جس سے ایک کروڑ لوگ متاثر ہوئے اور ریاست کی تقریباً نصف آبادی گھروں میں مقید ہو کر رہ گئی۔

اس صورت حال میں کئی دن پانی، کھانے پینے کی اشیاء اور دوائیوں سے محروم ہونے کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی میکسیکو میں بھی ہوا۔ ان حالات میں لوگوں کے لیے ان گنت مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سب سے بڑا مسئلہ لوگوں کے گھر چھوڑ کر جانے کا ہے۔ سنگین ترین صورت حال میں بھی وہ گھروں کے لوٹے جانے کے خوف سے محفوظ جگہوں پر پناہ نہیں لیتے کیونکہ چور ڈاکو ایسے حالات کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی عمر بھر کا اثاثہ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ سیلاب ملک کی معیشت کو زبردست نقصان پہنچاتے ہیں۔ میکسیکو میں بھی گیس کے پائپ لائن پھٹنے اور تیل نکالنے کے کام میں رکاوٹ کے باعث کافی نقصان ہوا۔

ایسی اور بھی کئی آفات ہیں جن کا کچھ بدقسمت ممالک کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قحط یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں کمی ہونا ان میں سے ایک ہے۔ کبھی تو یہ قدرتی طور پر بارشوں کی کمی کی وجہ سے اور کبھی سیلاب کے فصلیں بہا لے جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ روس، چین، کمبوڈیا، ایتھوپیا اور کوریا پچھلی صدی میں اس کے شکار رہ چکے ہیں۔ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث بہت سے ممالک ان آفات کے اثرات پر قابو پانے میں کافی حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ نہریں، ڈیم اور پانی کے نکاس کے مختلف انتظامات کی بدولت سیلاب کے بدترین اثرات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہمالیہ کے گلیشئر درجہ حرارت بڑھنے کی وجہ سے 2035 تک مکمل طور پر غائب ہو جائیں گے۔ یہ گلیشئر دریائے سندھ اور گنگا کو سیراب کرتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2010)

میکسیکو میں سیلاب کب آیا اور کتنے لوگ اس سے متاثر ہوئے؟ (2)

سیلاب سے متاثر ہونے والے قدرتی ذرائع کس طرح ملک کی معاشی ترقی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ (2)

سیلاب سے لوگوں کو کیا خطرات درپیش ہیں؟(4)

قحط کن وجوہات کی بنا پر پڑتا ہے؟(2)

2035ء کے حوالے سے کن خدشات کا ذکر کیا گیا ہے؟(2)

قدرتی آفات سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟(3)

ذرائع آمد و رفت

زمانہ قدیم سے لوگ سفر کرتے آ رہے ہیں۔پہلے خچروں ،گھوڑوں،اونٹوں اور بیل گاڑیوں پر سفر عام تھا۔پھر سفر کو آسان اور محفوظ بنانے کے لیے کشتیاں اور بحری جہاز وجود میں آئے۔یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کشتیاں کب وجود میں آئیں لیکن پہلی کشتی 4000 قبل مسیح ایک کھدائی کے درمیان بر آمد ہوئی۔شروع میں کشتیاں پتواروں سے چلتی تھیں اور پتلی ہوتی تھیں۔مصری انہیں آمدورفت اور مچھلیاں پکڑنے کے لیے بناتے تھے۔وقت کے ساتھ یہ بہتر سے بہتر ہوتی گئیں۔سو سال قبل مسیح رومیوں نے پہلا بحری جہاز بنایا جس میں بیک وقت ایک ہزار مسافر اور ایک ہزار ٹن سامان آ سکتا تھا۔جہاز دو منزلہ بغیر چھت کے ہوتے تھے۔نیچے سامان اور اوپر کی منزل پر مسافر سفر کرتے تھے۔جنگوں میں بھی ان کا استعمال عام تھا۔ایسے ہی جہازوں میں مارکوپولو اور کرسٹوفر کولمبس نے نئے خطر دریافت کیے۔وقت کے ساتھ ساتھ جہازوں میں تبدیلیاں آتی گئیں۔جدید ترین جہاز کئی منزلوں پر مشتمل اپنے اندر دنیا سمیٹے ہوئے ہیں۔شاپنگ مال،ریسٹورنٹ،تیراکی کے تالاب،غرض کہ ہر چیز آپ کی سہولت کے لیے موجود ہے۔ان جہازوں کو سمندر پر تیرتے ہوئے شہر کہنا غلط نہ ہو گا۔جدید سہولتوں اور آسائشوں سے آراستہ جہازوں میں ٹائی ٹینِک کا نام قابل ذکر ہے۔آٹھ منزلوں پر مشتمل 882 فٹ لمبا اور 92 فٹ چوڑا یہ جہاز بنانے والی کمپنی کے دعویٰ کے مطابق دنیا کا محفوظ ترین اور مضبوط ترین جہاز تھا جس میں 2547 مسافروں اور عملے کی گنجائش تھی۔یہ جہاز ساؤتھ ہیمپٹن سے امریکہ کے لیے روانہ ہوا۔سیاحوں اور تلاش معاش میں جانے والوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ ان کا آخری سفر ہو گا۔

سویڈن کے رہنے والے کارل اسپ لینڈ جو ایک غریب مزدور تھے،اپنی آنکھوں میں کئی خواب سجائے اپنی بیوی اور پانچ بچوں کے ساتھ امریکہ میں قسمت آزمانے نکلے۔14 اپریل کی ان منحوس رات کو جب ٹائی ٹینِک ایک برف کے تودے سے ٹکرایا اور موت سامنے نظر آنے لگی تو انھوں نے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر فیصلہ کیا کہ پوری فیملی ایک ہی ساتھ موت کو گلے لگائے گی لیکن آخری لمحوں میں کسی مسافر نے دو چھوٹے بچوں کو حفاظتی کشتی پر پھینک دیا۔کارل نے یہ دیکھ کر بیوی کو بھی اس کشتی میں دھکیل دیا۔دو ہزار مسافروں اور عملے میں سے 700 بچنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔(اکتوبر،نومبر:2010)

پرانے زمانے کے ذرائع آمد ورفت کیا تھے ؟(2)

____

____

____

رومیوں کے بنائے ہوئے جہازوں اور اور موجودہ زمانے کے جہازوں میں کیا فرق ہے ؟(2)

____

جہازوں کو تیرتے ہوئے شہر کیوں کہا جاتا ہے؟(4)

جہازوں میں ٹائی ٹینک کا نام کیوں پیش پیش ہے؟(2)

مسافر کس غرض سے امریکہ جا رہے تھے؟(3)

کارل اپس لینڈ کے خاندان کے لوگ کیسے بچے؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

تان سین

کون جانتا تھا کہ مدھیا پردیش کے مقام پر گوالیار میں مشہور و مقبول شاعر مکند مصرا کے گھر 1506 میں پیدا ہونے والا بچہ تنو مصرا ایک دن وہ نام اور مقام حاصل کرے گا جو سنگیت کے آسمان پر ایک روشن ستارے کی طرح صدیوں چمکتا رہے گا۔ مسحور کن آواز اور موسیقی کی طرف ان کا رجحان دیکھ کر مکند مصرا نے اپنے ہونہار بیٹے کے لیے ہری داس سوامی جیسے باصلاحیت اور موسیقی میں ماہر استاد کی خدمات حاصل کر لیں۔

عمر کے ساتھ ساتھ تنو مصرا کے فن میں نکھار اور شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ مغل شہنشاہ اکبر نے جو ذہین اور باکمال لوگوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا، انہیں اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر نہ صرف انہیں اپنے نو رتنوں میں شامل کر لیا بلکہ میاں کا خطاب عطا کر کے انھوں تنو مصرا سے میاں تان سین بنا دیا۔

رتن کے معنیٰ ہیں نگینے۔ بیر بل، فیضی اور ابو الفضل کا شمار بھی اکبر کے نو رتنوں میں ہوتا ہے۔ یہ سب کسی نہ کسی فن میں یکتا تھے۔ ایک دفعہ سننے کے بعد فیضی کسی بھی غزل کو اسی طرح دہراتے تھے جیسے وہ انھوں نے ہی لکھی ہو۔ ابو الفضل اپنی دوسری صلاحیتوں کے ساتھ اکبر نامہ اور آئینِ اکبری جیسی تصانیف کے خالق ہیں۔ تان سین کلاسیکی موسیقی کے شہنشاہ مانے جاتے ہیں۔

میگھ ملہار، راج دیپک، بھیروی، راگیشوری، سارنگ اور دوسرے کئی راگوں کی تخلیق کا سہرا تان سین کے سر ہے۔ ان کی ساز و آواز میں وہ جادو تھا کہ جب راگ دیپک شروع کرتے تو آگ بھڑکنے لگتی۔ جب میگھ ملہار چھیڑتے تو بادل گھِر آتے اور ابرِ رحمت برسنا شروع ہو جاتا۔ جب مست ہو کر گانا شروع کرتے تو اکبر کے دربات کی شمعیں خود بخود روشن ہو جاتیں۔ نفیس مشروبات سے لبریز شیشے کے جام چٹخ جاتے۔ (مئی، جون: 2011)

تان سین کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ ان کے والد کا نام کیا تھا؟ (3)

موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے کس استاد کا انتخاب کیا گیا تھا اور کیوں؟ (2)

کیوں کہا جاتا ہے کہ ان کی آواز میں جادو تھا؟ کوئی دو مثالیں دیجیے۔(2)

رتن کے کیا معانی ہیں اور تان سین کے علاوہ اکبر کے اور کن نو رتنوں کا ذکر کیا گیا ہے؟(3)

اس زمانے کی کن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ ان کا مصنف کون تھا؟(3)

تان سین کا خطاب انہیں کس نے دیا؟ اور ان کا اصلی نام کیا تھا؟(2)

قلعہ روہتاس

مسلمانوں اور ہندوؤں کی ملی جلی فنِ تعمیر کا نمونہ قلعہ روہتاس کی شکل میں افغانستان اور پنجاب کے درمیان بنائی گئی پرانی ٹرنک روڈ پر واقع ہے۔ مغل بادشاہوں کو شکست دینے کے بعد اس کے دوبارہ حملے اور واپسی کو ناممکن بنانے کے لیے یہ قلعہ شیر شاہ سوری نے مسلمان اور ہندو کاریگروں کی مدد سے بنوایا تھا۔ اس میں تیس ہزار فوجی بیک وقت ایک لمبی مدت تک رہ سکتے تھے۔

شیر شاہ سوری نے بذاتِ خود اِرد گرد کا جائزہ لینے کے بعد یہ مقام چنا اور اِسکی بنیاد کا پہلا پتھر بھی اپنے ہاتھ سے رکھا۔ یہ قلعہ آس پاس رہنے والے ہمایوں کے وفادار قبیلوں کے حملوں سے بھی بچاؤ کا ذریعہ تھا۔ ان میں پوٹھوہار کا قبیلہ نمایاں تھا۔ جس کے سردار سارنگ خان اور اس کی بیٹی کو فوج نے گرفتار کر کے شیر شاہ سوری کی خدمت میں حاضر کیا تھا۔

سارنگ کو موت کی سزا دی گئی مگر اس کی بیٹی کی شادی بادشاہ کے پسندیدہ جرنیل خواص خان سے کر دی گئی۔ اس قبیلہ پر حملہ کی وجہ یہ تھی کہ یہ نہ صرف بادشاہ کے خلاف تھے بلکہ پڑوسی راجپوت قبیلے کے مزدوروں کو جو قلعہ کی تعمیر کا کام کر رہے تھے، اپنے ظلم کا نشانہ بناتے تھے، پوٹوہار کے قبیلے پر قابو پائے جانے کے باوجود اس قبیلے یا ارد گرد کے قبیلوں میں سے کوئی بھی قلعہ کی تعمیر میں حصہ لینے کے لیے تیار نہ تھا۔

مزدوروں کی قِلت سے مجبور ہو کر بادشاہ نے ایک پتھر اٹھا کر لگانے کی اجرت ایک سونے کی اشرفی مقرر کی۔ دولت کے لالچ میں سب گھروں سے نکل پڑے اور مزدوروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اجرت رفتہ رفتہ پانچ ٹکے تک گر گئی۔ قلعہ کی دیواریں 10 سے 8 میٹر اونچی اور 10 سے 13 میٹر چوڑی ہیں۔ قلعہ کے اندر تین باؤلیاں ہیں جو در اصل زمین کے نیچے بنے ہوئے حمام اور کنوئیں ہیں۔ دو کنوئیں فوجیوں، ان کے گھوڑوں، ہاتھیوں وغیرہ کے استعمال کے لیے تھے جب کہ ایک باؤلی شاہی خاندان کے افراد کے لیے تھی۔ (مئی، جون: 2011)

قلعہ کس مقام پر اور کن وجوہات کی بنا پر بنوایا گیا تھا؟ (3)

پوٹوہار کے قبیلے سے کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ (4)

کاریگروں کی اجرت کتنی مقرر ہوئی؟ اور کیوں؟(2)

بعد میں یہ اجرت کتنی کم ہوئی اور کیوں؟(2)

باؤلیاں کیا تھیں اور کس مقصد کے لیے بنائی گئی تھیں؟(2)

آپ کے خیال میں ملک کی حدود بڑھانے کے علاوہ اور کن مسائل پر جنگ چھڑ سکتی ہے؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

رابعہ بصری

رابعہ بصری کے بارے میں تاریخ میں بہت کم حقائق موجود ہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک بزرگ صوفی خاتون تھیں جو آٹھویں صدی میں بصرہ میں پیدا ہوئیں اور اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے بارے میں یوں تو کئی روایات اور روحانی قصے موجود ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ فرضی ہیں یا حقیقی۔ ان میں سے زیادہ تر وقعات ہمیں بعد میں آنے والے صوفی بزرگ فرید الدین عطار کی کتابوں سے ملتے ہیں۔ رابعہ بصری ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا۔ قحط کے دوران بصرہ سے دوسرے شہر کی طرف جاتے ہوئے کسی طرح اپنے گھر والوں سے بچھڑ کر دوسرے قافلے میں شامل ہو گئیں۔ بد قسمتی سے راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ نہ صرف لوٹ مار مچائی بلکہ قافلہ والوں کو قیدی بنا کر دوسرے شہر میں مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں بنا کر ان کی نیلامی کر دی۔ رابعہ بصری بھی ان کنیزوں سے ایک تھیں۔ آپ دن بھر محنت کرتیں اور راتوں کو جاگ کر خدا کی عبادت میں مشغول رہتیں۔ ایک رات مالک کا گزر ان کے کمرے کی جانب سے ہوا تو اس نے دیکھا کہ ان کے گرد نور کا ایک ہالہ ہے اور وہ خود بے خبر عبادتِ خدا میں مصروف ہیں۔ ایک پاکیزہ اور عبادت گزار خاتون کو اپنی غلامی میں پا کر وہ بڑا شرمندہ ہوا اور اس نے رابعہ بصری کو آزاد کر دیا۔

آپ کی ساری ملکیت ایک ٹوٹا ہوا جگ، ایک چٹائی اور ایک اینٹ تھی جسے وہ تکیہ کی طرح استعمال کرتی تھیں۔ آزاد ہونے کے بعد دن اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوئی اور مرید بننا شروع ہو گئے۔ آپ کے لیے نذرانے اور تحفے آنے لگے لین آپ کچھ بھی قبول نہ کرتیں۔ شادی کے کئی پیغامات آئے۔ کہا جاتا ہے کہ حاکمِ بصرہ نے بھی شادی کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ کو غربت کی زندگی اور عبادتِ خدا سے دوری منظور نہیں تھی۔

رابعہ بصری کے مطابق خدا کی عبادت جنت کے لالچ اور دوزخ کے ڈر سے نہیں بلکہ صرف اس کی خوشنودی اور محبت میں کرنا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ عاجزی اور توبہ خدا کا دیا ہوا تحفہ ہے اور اسی کو ملتا ہے جو اس کی نظر میں اچھا اور اس کا مستحق ہوتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2011)

یہ اقتباس کن بزرگ خاتون کے بارے میں ہے اور ان کے متعلق ہمیں کس طرح معلومات حاصل ہوئیں؟ (2)

وہ کہاں پیدا ہوئیں اور کس عمر میں ان کی وفات ہوئی؟ (2)

ان کے گھر والے بصرہ سے کہاں اور کیوں جا رہے تھے؟(2)

ڈاکوؤں نے قافلہ کے مرد او عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟(2)

متن پڑھنے کے بعد آپ کو رابعہ بصری کی کن خصوصیات کا علم ہوا؟(3)

شادی کے پیغامات اور تحفے تحائف قبول نہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟(2)

عبادت کے بارے میں رابعہ بصری کا کیا نظریہ تھا؟(2)

چارلس ڈاروان کا فلسفہ ارتقاء

انگریز سائنسدان چارلس ڈارون کے نظریے اور مشاہدے کے مطابق ہر زندہ مخلوق اپنے ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہو کر ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے وہ شکل اختیار کر لیتی ہے جو اسے زندگی کی جدِوجہد میں کامیاب ہونے اور زندہ رہنے میں مدد دے گی۔ دوسرے معنوں میں صرف وہی مخلوق زندہ رہتی ہے جو اپنی نسل کی دوسری مخلوق کے مقابلہ میں برتر اور افضل ہو اور مسائل اور مشکل حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اپنی مشہور تصنیف "اوریجن آف سپیشیز" میں جو 1859 میں چھپی تھی، ڈارون نے اپنے مشاہدات کو مختلف مثالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انسان بندر کی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتا ہے جو عقل و دانش اور اپنی دماغی صلاحیتوں کی وجہ سے تمام مخلوقات سے برتر و افضل ہے۔ اس کا یہ نظریہ تمام مذہبی عقائد کے خلاف جاتا ہے۔ تمام مذاہب کے نقطہ نظر سے اللہ نے انسان کو ہمیشہ سے اسی شکل میں پیدا کیا جس میں وہ آج ہے۔ موسم اور ماحول کے لحاظ سے کئی تبدیلیاں آنا ناگزیر ہیں۔ حضرت آدم کے وقت مرد نو فٹ سے زیادہ لمبے ہوتے تھے اور کئی سو سال زندہ رہتے تھے۔ حضرت نوح کی عمر نو سو سال بتائی جاتی ہے۔ افریقہ کے قبائلیوں کا انحصار چونکہ شکار پر ہوتا تھا اس لیے ان کی ٹانگیں لمبی اور جسم مضبوط ہوتے تھے۔ سیاہ رنگت بھی سورج کی مضر شعاعوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں دھوپ کم اور بارش زیادہ ہوتی ہے لہٰذا یہاں کے رہنے والوں کے لیے سورج کی مضر شعاعوں کا خطرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یورپ میں مذہبی رہنماؤں کے تاثرات اس نظریے کے بارے میں ملے جلے ہیں۔ کچھ کو اس سے شدید اختلاف ہے جب کہ کچھ کا رویہ اس سلسلے میں نرم ہے۔ اس کے برخلاف امریکہ میں اس نظریے کو نصاب کا حصہ بنانے پر زبردست ہنگامہ ہوا تھا۔

اس نظریے سے جنم لینے والے نظریے "یوجینکس" کے مطابق طاقت ور مخلوق کو زندگی کی سہولیات مہیا کرنے کے لیے کمزور مخلوق کا اس دنیا سے خاتمہ ضروری ہے۔ اسی نظریے نے نسلی تعصب کو جنم دیا۔ ہٹلر کے نازی گروہ کا بھی یہی خیال تھا کہ صرف گوری رنگت، سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والے لوگ برتر اور افضل ہیں اور صرف ان کو ہی زندہ رہنے کا حق ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس نظریے کا اثر ہمیں زندگی کے ہر شعبے، ہر ملت اور ملک پر نظر آتا ہے۔ امیر اپنے آپ کو غریبوں سے برتر سمجھتے ہیں۔ انسان آج بھی اپنی نسل، رنگت اور مذہب کے لحاظ سے اپنے کو دوسروں سے افضل تصور کرتا ہے اور دوسروں ے مذہب اور رسم و رواج کو نہ صرف ناپسندیدگی سے دیکھتا ہے بلکہ انہیں نیست و نابود کر دینے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2011)

چارلس ڈارون کے مطابق ہر مخلوق کو ارتقائی منازل سے کیوں گزرنا ہوتا ہے؟ (2)

ڈارون نے اپنے مشاہدات کب اور کس کتاب میں قلم بند کیے؟(2)

موسم اور ماحول کا اثر انسان کے جسم کے کن حصوں پر پڑ سکتا ہے؟ دو مثالیں دیجیے۔(2)

ڈارون کا نظریہ مذہبی عقائد سے کس طرح مختلف ہے؟(2)

یوجینکس کے نظریے سے کن خرابیوں نے جنم لیا اور اس کی کون سی مثالیں ملتی ہیں؟ چار ذکر کریں۔(4)

آپ کس حد تک ڈارون کے نظریے سے اتفاق رکھتے ہیں؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

مسائی قبیلہ

کینیا اور تنزانیہ کی وادیوں میں بسنے والے مسائی قبیلے کی طرز زندگی کچھ زیادہ عرصہ پہلے تک دوسرے قبائل سے بالکل مختلف تھی۔ یہ نہ تو زراعت کرتے تھے اور نہ ہی پیسے کا لین دین۔ یہ اپنے مویشیوں کے لیے نئی چراگاہ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہتے تھے۔ ان کی بسرِ اوقات مکمل طور پر مویشیوں پر تھی جو انہیں گوشت اور دودھ مہیا کرتے تھے۔ قبیلے کے جس فرد کے پاس زیادہ مویشی ہوتے تھے وہ اتنا ہی اقت ور سمجھا جاتا تھا اور اسی کا حکم چلتا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے زمین کی کمی کے باعث ان کی خوراک اور رہن سہن کے طریقوں میں کافی کمی آگئی ہے۔ خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے ایک ہی جگہ رہنے پر مجبور ہیں۔ پہلے یہ کاشت کاری کو بری نظر سے دیکھتے تھے لیکن اب نہ صرف اشیائے خوردنی خریدتے ہیں بلکہ اگانے پر بھی مجبور ہیں۔ اس کے باوجود آج بھی اپنے رسم و رواج پر پابندی سے قائم ہیں۔ اونچی قامت اور خوبصورت خدوخال کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مسائی مرد بڑے بہادر اور جنگ جو ہوتے ہیں۔ لمبے بال موتیوں سے گندھے رکھتے ہیں اور کندھوں پر سرخ چار خانوں کے کمبل ڈالتے ہیں۔ شیر کو مارنا مردانگی کی نشانی مانتے ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں لڑکوں کو مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے قبیلے سے دور بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ آٹھ سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد گاؤں میں جنگ جو نوجوانوں کی طرح واپس آکر شادی کرتے ہیں۔

مسائی عورتیں گھر بار کی ذمہ داری بخوبی نبھاتی ہیں۔ دودھ دوہنے، پانی بھرنے اور بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ گھر بنانے میں مردوں کا برابر ساتھ دیتی ہیں۔ مٹی، بھوسہ، گھاس اور گوبر کو ملانے کا کام انہی کے سپرد ہوتا ہے۔ مردوں کی طرح یہ بھی دراز قد اور خوبصورت خدوخال کی مالک ہوتی ہیں اور اپنے بالوں کو منکوں سے پروئے رکھتی ہیں۔

کینیا کے نیشنل پارک کو دیکھنے دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں۔ ایک زمانے میں اس پارک کی بہت بڑی زمین مسائی قبیلے کے لوگوں کے استعمال میں تھی۔ اب اس سے دست برداری ان کے لیے بڑی تکلیف کا سبب بن گئی ہے۔ ان کو شکوہ ہے کہ حکومت جانوروں اور سیاحوں کو ان پر ترجیح دے رہی ہے۔ (مئی، جون:2012)

مسائی قبیلے کے لوگ اپنے آس پاس کے دوسرے قبیلوں سے کس طرح مختلف ہوا کرتے ہیں؟(2)

اس قبیلے کے لوگوں کی طاقت کا اندازہ کس بات سے لگایا جاتا ہے؟(1)

دوسرے پیراگراف کے حوالے سے ان کے طور طریقے کیوں اور کس طرح بدلتے ہیں؟(3)

مسائی مرد کیسے ہوتے ہیں؟(3)

قبیلے کے لڑکوں کی کیا ذمہ داری ہے اور کتنا عرصہ قبیلے سے دور گزارتے ہیں؟(1)

عورتوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟(3)

آخری پیراگراف میں مسائی قبیلے کے کن احساسات کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ احساسات کس بنا پر ہیں؟(2)

جاپان کا تعارف

دنیا جسے جاپان کہتی ہے وہ اپنے ملک والوں کے لیے نِپان ہے۔ ملکی کرنسی اور ڈاک کے ٹکٹوں پر بھی یہی نام لکھا نظر آتا ہے۔ یہ نام پرتگالی تاجروں کے ذریعہ یورپ تک پہنچا۔ سولہویں صدی میں پرتگالی تاجروں اور عیسائی تبلیغی جماعتوں کی وجہ سے یورپ اور جاپان کے درمیان تجارت کی ابتداء ہوئی۔ تین ہزار سے زائد جزیروں پر مشتمل یہ ملک چین، شمالی اور جنوبی کوریا، روس اور دوسرے نزدیکی ممالک کے مشرق میں واقع ہے۔ پرانے وقتوں میں یہ سورج کی سرزمین کہلاتا رہا ہے کیونکہ اس زمانے کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے علاوہ مشرق میں کوئی اور ملک نہیں تھا۔ جاپان کی ستر سے اسی فیصد زمین گھنے جنگلات اور پہاڑوں پر مشتمل ہونے کے باعث نہ صرف ناقابلِ زراعت ہے بلکہ شدید آب و ہوا اور فوقتاً فوقتاً آنے والے زلزلوں کی وجہ سے ناقابلِ رہائش بھی زیادہ تر لوگ ساحلی علاقوں میں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رہائشی علاقے گنجان آباد ہیں۔ ان علاقوں میں بھی زلزلے اور ان سے ہونے والی تباہی بہت عام ہے۔ جاپان کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں کیا جاتا ہے۔ سائنسی تحقیقات میں پیش پیش ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے بینک یہاں واقع ہیں۔ ٹیوٹا اور ہونڈا جیسی مقبول کاروں کے خالق ہیں۔ مزدوری کرنے والے لوگوں کی اجرت کئی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جاپان کے باغات اپنی خوبصورتی کے لیے مشہور ہیں اور ان کے قومی کھیل جوڈو اور کراٹے پوری دنیا میں مقبول ہیں۔ بیسویں صدی کے آکر میں کم بچے پیدا کرنے یا شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہو گیا ہے، نتیجے کے طور پر بوڑھوں کی تعداد زیادہ اور جوانوں کی بہت کم ہوتی جا رہی ہے جو ملکی معیشت کے لیے باعث تشویش ہے۔ جلد ہی کام کرنے والے لوگ کم اور پینشن پانے والے زیادہ ہو جائیں گے۔ ایک اندازے کے مطابق 2050 تک آبادی میں سو ملین کی کمی ہو جائے گی۔ حکومت سنجیدگی سے غور کر رہی ہے کہ عوام میں بچہ پیدا کرنے کا رجحان کس طرح بڑھایا جائے۔ جو دو طریقے قابلِ غور ہیں وہ یہ ہیں کہ بچے کی پیدائش پر والدین کو انعام و اکرام سے نوازا جائے یا پھر غیر ملکیوں کو ملک میں آکر آباد ہونے کی ترغیب دی جائے۔ (مئی، جون: 2012)

سولھویں صدی میں پرتگالی تاجروں نے کیا کردار ادا کیا؟ (1)

سے ساحلی علاقوں پر آبادی کی کوئی دو وجوہات لکھیے اور بتائیے کہ اس کے کیا نقصانات ہیں۔ (3)

بوڑھوں کی تعداد کیوں زیادہ ہوتی جا رہی ہے اور اس سے ملک کی معیشت کس طرح متاثر ہو سکتی ہے؟ (3)

حکومت آبادی بڑھانے کے سلسلے میں کن اقدامات پر غور کر رہی ہے؟ (2)

جاپان کن وجوہات کی بناء پر ترقی یافتہ ملک کہلاتا ہے؟ (4)

آپ کے خیال میں جوانوں کے لیے جاپان میں رہنے کے کیا فوائد ہیں؟ (2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر

دستخط استاد

سمندری گھوڑے

سمندری گھوڑے دراصل مچھلیوں کی ایک قسم ہیں جن کا اوپر کا جسم گھوڑے سے اور نیچے کا مچھلیوں سے ملتا جلتا ہے۔ جسم کا آخری حصہ دم کی شکل اختیار کرلیتا ہے جسے یہ کسی چیز کے گرد لپیٹ کر سمندری گھاس میں چھپ کر آ عام سے اپنے شکار کا انتظار کرتے ہیں اور اس طرح خود بھی شکار ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، جسم کے اہم اعضاء دل سمیت ان کے سر کے پچھلے حصہ میں پائے جاتے ہیں۔ منہ پائپ کی مانند لمبا اور پتلا ہوتا ہے۔ منہ کے دونوں طرف آنکھیں ہوتی ہیں جو کسی بھی سمت گھوم سکتی ہیں۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی خاصیت بھی انہیں دوسری سمندری مخلوق کا شکار ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ نر عموماً تنہائی پسند ہوتے ہیں اور پانی کی تہہ میں صرف چھوٹے سے حصے میں رہتے ہیں جب کہ مادہ کو بڑی جگہ چاہیے ہوتی ہے اور وقت کا زیادہ حصہ وہ اپنی دوسری ہم جنسوں کے ساتھ گزارتی ہے۔ ایک دلچسپ حقیقت جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ مادہ اپنے انڈے جو تعداد میں کئی سو ہوتے ہیں، نر کے پیٹ کے ساتھ بنے ہوئے تھیلے میں خارج کر کے واپس اپنے ٹھکانے پر چلی جاتی ہے۔ نر چھ ہفتوں تک ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس دوران مادہ روزانہ صبح ایک مقرر وقت پر نر کے پاس آکر کچھ وقت اس کے ساتھ گزارتی ہے۔ چھ ہفتوں کے بعد بچے تھیلے سے باہر آجاتے ہیں۔ ان کی حفاظت اور خوراک کی ذمہ داری بھی نر ہی اٹھاتے ہیں، جب تک وہ خود شکار کرنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔ کئی سو میں سے صرف چند بچے ہی بڑے ہو پاتے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اکثر بچے خود باپ کی خوراک کا حصہ بن جاتے ہیں۔ کچھ پانی کے بہاؤ کے ساتھ سمندر کے اس حصہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پانی کا درجہ حرارت ان کے نازک جسموں کے لیے زیادہ ہوتا ہے اور یہ گرمی کی تاب نہ لاکر ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کل سمندر کے پانی میں فیکٹریوں کا کچرا اور تیل کے ٹینکروں کا جابجا پھٹنا سمندری حیات کے لیے موت کا پیغام ہے۔ (اکتوبر، نومبر: 2012)

سمندری گھوڑے کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں یہ نام کیوں دیا گیا ہے؟ (2)

مچھلیوں کا شکار ہونے سے بچنے کے لیے یہ کون سے دو طریقے اختیار کرتے ہیں؟ (2)

نر اور مادہ کی طرزِ رہائش میں کیا فرق ہوتا ہے اور یہ کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں؟(4)

انڈوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کس پر ہوتی ہے اور انہیں کس طرح محفوظ کیا جاتا ہے؟(2)

مادہ اس دوران کیا کردار ادا کرتی ہے؟(3)

جوان سمندری گھوڑے کن خطرات کا سامنا کرتے ہیں؟(2)

ظہیر الدین بابر

23 فروری 1483 میں ازبکستان میں مشہور تیموری باپ اور چنگیزی ماں کی گود میں پلنے والا بچہ ظہیر الدین محمد تھا جو اپنی جدوجہد اور ہمت کے بل بوتے پر ہندوستان جیسی عظیم الشان سلطنت کا والی و وارث بنا اور اپنی بہادری و شجاعت کی بنا پر بابر یعنی شیر کے لقب سے مشہور ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد بارہ سال کی عمر میں تخت کا وارث بنا لیکن چچاؤں کی سازشوں کی وجہ سے عمر کا زیادہ حصہ در بدر کی خاک چھاننے اور اپنے عزیزوں دوستوں کی امداد پر گزرا۔ بار بار فوج جمع کی، کئی بار حملے کئے اور بار بار شکست کھانے کے باوجود ہمت نہ ہاری اور آخر کار کابل سے لیکر ہندوستان تک فتح کر لیا اور عظیم مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ بابر کے دور حکومت میں ہندوستان میں ایرانی تہذیب و تمدن، مصوری اور ادب کو فروغ ملا۔ چغتائی آرٹ کی بنیاد بھی اسی زمانے میں پڑی۔ خود بھی شاعر اور ادیب تھا۔ اپنی سوانح عمری "بابر نامہ" کے نام سے لکھی جو اسلامی ادب کی پہلی سوانح حیات مانی جاتی ہے۔ جنگوں کے نئے طریقہ کار وضع کیے۔ ایسی توپیں ایجاد کیں جن کے گولوں کی پہنچ ایک میل کے قریب تھی اور وہ اس طرح پھٹتے تھے کہ دشمن کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچتا تھا۔ بابر زبردست سیاسی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ مختلف قبائل کی مدد حاصل کرنے کے لیے اپنی فوج میں پشتون، عرب، منگول اور قزلباش قبائل کے لوگوں کو اچھے درجات دیے۔ اس کے علاوہ ترکی اور ایرانی زبانوں پر عبور اور ان کی تہذیب و تمدن کی طرف رجحان رکھنے کی وجہ سے اِسے ترکی اور منگول قبائل کی زبردست حمایت حاصل تھی۔ جنگی اور سیاسی صلاحیتوں کے ساتھ جسمانی طور نہایت طاقت ور تھا۔ ہر بڑے دریا کو تیر کر پار کرتا تھا۔ دریائے گنگا کو دو دفعہ پار کیا۔ ورزش کے لیے دونوں کندھوں پر ایک ایک آدمی کو بٹھا کر دوڑاتا ہوا پہاڑی چڑھتا تھا۔ اس قدر شجاعت اور دلیری کے باوجود اپنے بیٹے ہمایوں کو موت سے ہمکنار ہوتے نہ دیکھ سکا۔ اس کے بستر کے گرد رو رو کر چکر لگائے اور خدا سے دعا مانگی کہ ہمایوں کے بدلے میں خدا اسے موت دیدے اور ہمایوں کو صحت یاب کر دے۔ دعا قبول ہو ئی۔ ہمایوں شفا پا گیا اور خود بابر موت سے ہمکنار ہو گیا۔ (اکتوبر، نومبر:2012)

بابر کن دو مشہور خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا اور کہاں پیدا ہوا؟(2)

بابر کے دورانِ حکومت میں کن چیزوں کو فروغ ملا؟(3)

بابر کی جسمانی طاقت کا اندازہ کن باتوں سے لگایا جا سکتا ہے؟(3)

کن وجوہات سے بابر کو مختلف اقوام کے لوگوں کی حمایت حاصل تھی؟(3)

جنگوں کے لیے اس نے کون سے نئے طریقہ کار وضع کئے؟(2)

بابر نے اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لیے کیا کیا؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

ملا دوپیازہ

ایک غریب گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اکبر کے نورتنوں میں شامل ہونے والے ایک رتن ملا دوپیازہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے والد ایک اسکول میں استاد تھے۔ تنخواہ معمولی تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا تھا۔ بچپن سے ذہین اور پڑھائی لکھائی کے شوقین تھے۔ کتابیں خریدنے کی استطاعت نہ تھی لہٰذا کسی امیر آدمی کے گھر کوئی بھی چھوٹی موٹی ملازمت کر لیتے تاکہ وہاں موجود کتابوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اِن مشکل حالات میں بھی انھوں نے اپنی ذہانت اور لگن سے فارسی، عربی، فلسفہ اور علم جفر میں مہارت حاصل کی اور اکبر بادشاہ کے دربار میں قسمت آزمانے چل پڑے۔

دربار میں رسائی آسان نہیں تھی۔ کسی فن میں یکتا ہونے کے ساتھ ایسے اعلیٰ عہدے دار کی سفارش ضروری تھی جسے اکبر کا قرب حاصل ہو۔ دربار میں تو جگہ نہ ملی لیکن شاہی مرغی خانے کی نگرانی پر مامور کر دیے گئے۔ اپنے علم اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ایسی معمولی نوکری پر بہت دلبر داشتہ ہوئے لیکن قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ مرغی خانے کو ایک نئی شکل دینے کے ساتھ انھوں نے گوشت اور پیاز سے بنائی جانے والی ایک ڈش دوپیازہ ایجاد کی جو اتنی مقبول ہوئی کہ ان کا نام ہی ملا دوپیازہ پڑ گیا۔ اکبر نے خوش ہو کر انہیں شاہی کتب خانے کا نگران بنا دیا۔ اس دفعہ بھی ملا دوپیازہ نے صبر و شکر سے کام لیا اور اپنی محنت و لگن سے کتب خانے کو چار چاند لگا دیے۔ کتب خانے کے معائنے پر اکبر کو یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ شاہی خزانے سے بغیر کسی پیسے کا مطالبہ کیے تمام کتابیں ریشمی، اطلس و کمخواب سے ڈھکی ہوئی بڑی ترتیب اور قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ اکبر کے استفسار پر ملا نے بتایا کہ ریشم و کمخواب ان تھیلیوں سے پایا گیا تھا جن میں رعایا اپنی درخواستیں اکبر کے حضور پیش کرتی تھی اور جنھیں بیکار سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا جاتا تھا۔ اکبر ان کی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا اور انہیں اپنے نورتنوں میں شامل کر لیا۔ اپنے صبر و استقلال، محنت و لگن کے بل بوتے پر ملا نے وہ مقام حاصل کر ہی لیا جس کی تلاش میں وہ آگرہ پہنچے تھے۔ (مئی، جون:2013)

ملا دوپیازہ کی اکبر کے دربار میں کیا حیثیت تھی؟ (1)

تعلیم حاصل کرنے کا شوق ملا نے کیسے پورا کیا؟ وہ کن علوم میں ماہر سمجھے جاتے تھے؟ (3)

اکبر کے دربار میں شمولیت کی کیا شرائط تھیں؟(2)

ملا دوپیازہ کی دربار میں پہلی نوکری کیا تھی؟ان کا اس پر ردعمل اور اور ردعمل کی وجہ بیان کریں۔(3)

وہ ملا دوپیازہ کے نام سے کیوں جانے جاتے تھے؟(1)

کتب خانے کے معائنہ پر اکبر کو کن باتوں نے متاثر کیا؟ تین باتوں کا ذکر کیجیے۔(3)

آخری پیراگراف میں ملا کی کن صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا ہے؟(2)

ہاتھی

جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑا جانور ہونے کی وجہ سے ہاتھی کو رہنے کے لیے زیادہ جگہ درکار ہوتی ہے۔ جیسے جیسے انسانی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے زراعت کے لیے جنگلات کی کٹائی اور ترقیاتی کاموں کے لیے عمارتوں کی تعمیر کے باعث ہاتھیوں کے لیے جگہ کم پڑ رہی ہے۔ اسی لیے وہ آسانی سے گولیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں یا پھر انہیں زہر دے کر مار دیا جاتا ہے۔ ہاتھی کے دانت تقریباً 3 میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ انہیں زیور اور فرنیچر بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ افریقی قبیلے انہیں کھانے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ شکار کیے جانت کی وجہ سے ہاتھیوں کی تعداد چھ لاکھ سے گر کر صرف ایک لاکھ رہ گئی ہے۔ ہاتھیوں کو چڑیا گھر میں رکھنے اور سرکس میں استعمال ہونے سے بچانے کے لیے کئی تنظیمیں مہم چلا رہی ہیں۔ اِن کے مطابق جانوروں کو سدھانے کے لیے ظالمانہ طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ نہ صرف انہیں مارا پیٹا جاتا ہے بلکہ زنجیروں میں جکڑ کر مختصر سی جگہوں پر قید کیا جاتا ہے اور اکثر کھانے پینت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ ہاتھی کے جذبات و احساسات انسانوں سے کافی ملتے جلتے ہیں۔ ہاتھیوں کے گروپ میں سے شکار ہونے والے ہاتھی کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے اور ان کی موت پر غم وغصے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ہاتھی زادہ تر افریقہ اور ایشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ ایشیائی ہاتھی چین اور انڈیا تک پائے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعداد انڈیا میں پائی جاتی ہے۔ یہاں ہاتھی سواری اور جنگلات سے لکڑیاں لانے اور لے جانے کے کاموں کے لیے سدھائے جاتے ہیں۔

ہاتھیوں کی دو قسمیں ہیں۔ سوانا اور فاریسٹ۔ سوانا ہاتھی زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی خاصیت ایسی جھاڑوں کو تباہ کرنا ہے جو گھاس اگنے سے روکتی ہیں۔ فاریسٹ ہاتھی قدرت کے نظام کو آگے چلانے میں مدد دیتے ہیں۔ کچھ بیجوں کے سخت چھلکے توڑنا صرف انہی کے بس کی بات ہے۔ یہ ان کے بیج اس طرح بکھیرتے ہیں کہ ارد گرد ان سے مزید درخت اگ سکتے ہیں۔ (مئی، جون: 2013)

ہاتھی کیوں مارے جا رہے ہیں؟ تین وجوہات لکھیں۔ (3)

___

___

___

___

ہاتھیوں کے پکڑے جانے کے خلاف مہم چلانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ تفصیل سے لکھیں۔ (4)

___

عبارت کے مطابق ہاتھی انسانوں سے کس طرح مشابہہ ہیں؟(2)

انڈیا میں ہاتھی کو کن کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟(2)

ہاتھیوں کی کون سی اقسام ہیں اور سب سے زیادہ تعداد میں کہاں پائے جاتے ہیں؟(2)

قدرت کے نظام میں ہاتھی کا کیا کردار ہے؟(2)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

تاج محل

دنیا کے سات قدیم عجائبات میں سے ایک عجوبہ جو ایک شہنشاہ کی اپنی ملکہ سے محبت کی یادگار ہے آج بھی دریائے جمنا کے کنارے اسی شان و شوکت سے کھڑا ہے۔ مغل شہنشاہ شاہ جہاں کا اپنی چہیتی ملکہ ارجمند بانو کی یاد میں بنوایا ہوا حسین تاج محل پوری دنیا کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اس زمانے میں آگرہ مغل سلطنت کا دارالخلافہ تھا اور شہنشاہ اپنی عزیز ملکہ کے ساتھ وہیں مقیم تھا۔ 1637ء میں دہلی کو دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

ارجمند بانو شاہ جہاں کی محبوب ترین بیوی تھی جسے اس نے پیار سے ممتاز محل کا خطاب دیا۔ اسے اپنے سے کبھی جدا نہیں ہونے دیا۔ 1631ء میں برہان پور میں ہونے والی بغاوت کو کچلنے کے لیے جب شاہ جہاں روانہ ہوا تو ممتاز محل اس کے ہمراہ تھی۔ اس زمانے میں ممتاز محل کے یہاں چودھواں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ وہیں پر اس کے یہاں ولادت ہوئی جس میں اس کا انتقال ہو گیا۔ شاہ جہاں کے لیے یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ چند ہی مہینوں میں اس کی داڑھی اور سر کے بال برف کی مانند سفید پڑ گئے۔

ممتاز محل نے اپنی زندگی میں شاہ جہاں سے چار وعدے لیے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اس کی یاد میں ایک حسین مقبرہ تعمیر کرے گا۔ دوسرا یہ کہ اس کے بچوں کا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔ تیسرا وہ اس کے مرنے کے بعد ایک اور شادی کر لے گا اور چوتھا وہ ہر برسی پر مقبرہ پر آ کر فاتحہ پڑھے گا۔ شاہ جہاں پہلے دو وعدے ہی بخوبی نبھا سکا۔

ایرانی ارکیٹیکٹ استاد عیسیٰ کی زیر نگرانی 20 ہزار کاریگروں کی محنت سے تاج محل 22 سالوں میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ دریائے جمنا کے کنارے سنگِ مرمر سے بنی ہوئی یہ عمارت ایک حسین منظر پیش کرتی ہے۔ انگریز شاعر ایڈوِن آرنلڈ کا کہنا ہے کہ پتھروں سے تراشیدہ یہ ایک عام عمارت نہیں ہے بلکہ شہنشاہ کی محبت اور جذبات کا عکس ہے۔

سورج کی روشنی، سنگ مرمر کی چمک اور دریا کا پانی اسے مختلف اوقات میں مختلف رنگوں میں پیش کرتا ہے۔ صبح سویرے ہلکا گلابی رنگ، شام میں دھودھیا رنگ اور چاند کی روشنی میں سنہری آب و تاب سے چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رنگ عورت کے مختلف احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ (اکتوبر، نومبر: 2013)

عبارت میں کس عجوبے کا ذکر کیا گیا ہے؟ (1)

یہ عمارت کس شہنشاہ نے بنوائی اور اس کے بنوانے کی وجہ کیا تھی؟ (2)

ممتاز محل کا اصلی نام کیا تھا؟ اس کی وفات کس طرح اور کہاں ہوئی؟ (3)

ممتاز محل نے شاہ جہاں سے کتنے وعدے لیے تھے اور وہ کن وعدوں کو پورا نہیں کر سکا تھا؟ (3)

تاج محل کی تشکیل کا سہرا کس کے سر ہے اور اس کی تعمیر میں کتنی مدت لگی؟ (2)

یہ عمارت کن تین اوقاف میں کس طرح مختلف نظر آتی ہے اور ان تبدیلیوں کو کس چیز سے مشابہت دی گئی ہے؟ (4)

برطانیہ کی پہلی خاتون نرس

برطانوی اعلیٰ طبقے کی لڑکیوں کے متعلق یہ تصور عام تھا کہ وہ اپنے ہم پلہ خاندان میں شادی کر کے نسل بڑھائیں گی اور عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گی نا کہ خون اور پیپ سے بھرے زخموں کی صفائی اور بیماروں کی تیمار داری کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں گی۔ فلورنس نائٹ انگیل نے جب اپنے ارادہ کا اظہار اپنے والدین سے کیا تو انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کے دماغ میں یہ خیال مضبوطی سے بیٹھ گیا تھا کہ اللہ نے ان کو بلا معاوضہ بیماروں کی خدمت کرنے کی تلقین کی ہے۔ اٹلی کے شہر فلورنس میں پیدا ہونے کی وجہ سے والدین نے ان کا نام ہی فلورنس رکھ دیا۔ اس زمانے میں کوئی ایسے ادارے نہ تھے جہاں نرسنگ کی تعلیم حاصل کی جا سکے۔ فلورنس نے اپنی محنت اور لگن سے مختلف ذرائع سے یہ علم حاصل کیا۔ 1950 میں جرمنی میں مفلس اور نادار مریضوں کے لیے بنائے گئے ادارے میں کام کر کے عملی تجربہ حاصل کیا۔ تین سال بعد لندن کے مشہور و معروف ہارلے اسٹریٹ کے ایک ادارے میں کام کیا جہاں انھوں نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو نرسنگ کی تربیت دی۔ ان کی بلا معاوضہ انتھک محنت اور خدا ترسی کا احساس لوگوں میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ اپنی سکھائی ہوئی 38 نرسوں کے ساتھ جنگ کے میدان میں زخمی اور بیمار فوجیوں کی مدد کے لیے پہنچیں۔ اخبار ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق "رات کے اندھیرے میں جب سب تھکے ہارے نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں اس وقت ایک تنہا خاتون اپنے لیمپ کے ساتھ بیماروں اور زخمیوں کی خبر لینے کے لیے ان کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہیں"۔ کیمپ کے زخمی اور بیمار فوجی انہیں "The Lady With The Lamp" کے نام سے پکارنے لگے۔

اس زمانے میں جب کہ امیر گھرانوں کی لڑکیوں کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا یا یونیورسٹی جانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ فلورنس کے والد لڑکیوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے خود اپنی بیٹیوں کو نہ صرف اطالوی، لاطینی، یونانی زبان، فلسفہ اور تاریخ کی تعلیم دی بلکہ علم ریاضی میں طاق بنایا اور مضامین لکھنے کی بھی ترغیب دی۔ (اکتوبر، نومبر: 2013)

فلورنس نائٹ نے نرسنگ کا شعبہ کیوں اختیار کیا؟ (1)

____

____

یہ پیشہ اپنانے پر ان کی مخالفت کن لوگوں نے اور کیوں کی؟ تفصیل سے لکھیں۔ (4)

____

____

____

____

____

عبارت کے مطابق نرسنگ کی تعلیم انھوں نے کس طرح حاصل کی؟(2)

ہارلے اسٹریٹ سے پہلے انھوں نے کہاں کام کیا؟(1)

لوگ انہیں "The Lady With The Lamp" کے نام سے کیوں جاننے لگے؟(3)

فلورنس اور ان کی بہن نے کن مضامین میں تعلیم حاصل کی اور کس طرح حاصل کی؟(4)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

ایک باہمت خاتون

دنیا کا سب سے خطرناک سفر تنہا طے کرنے کا فیصلہ کسی مرد کا نہیں بلکہ ایک نوجوان برطانوی خاتون کا ہے جن کی عمر صرف 26 سال ہے۔اس سفر کو دنیا کے گرد لندن سے لندن تک کا نام دیا گیا ہے۔سارہ اوٹن یہ سفر خشکی پر سائیکل اور سمندر پر چپو سے چلنے والی کشتی میں طے کریں گی۔یہ دنیا کی کم سن ترین شخصیت اور پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے عزم اور عالی ہمتی کا ثبوت تن تنہا 2009 میں اسی کشتی سے بحر ہند پار کر کے دیا اور "مہم جو خاتون" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

اندازے کے مطابق اس سفر کے لیے ڈھائی سال کا عرصہ درکار ہو گا جس میں سے گیارہ مہینے سمندر پر گزریں گے۔بیس ہزار میل کی اس مہم میں ذریعۂ سفر سائیکل اور کشتی ہوں گے۔یہ کشتی "کایاک" کہلاتی ہے۔چپو سے چلنے والی یہ کشتی ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی کے استعمال میں آ سکتی ہے۔شوقیہ حضرات اسے کشتی کی دوڑ میں حصہ لینے یا تفریح کے لیے کشتی رانی میں استعمال کرتے ہیں۔

ابھی تک صرف دو حضرات بحر الکاہل کو اس طرح طے کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔سارہ اوٹن ان کے نقشِ قدم پر چلنے والی پہلی خاتون ہیں۔وہ یہ مہم خراجِ تحسین کے طور پر اپنے والد کو پیش کرنا چاہتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اس سفر کی تمام مشکلات اور صعوبتیں اس رنج والم کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں جو ان کے والد کی موت نے انہیں دیا ہے۔اس سفر سے بخیریت واپسی ہی ان کے دکھ کا مداوا ہو گی۔

اس دوران پیش آنے والے خطرناک ترین مراحل میں نہ صرف قدرتی آفات کا مقابلہ، پیچیدہ راستوں پر سائیکل چلاتے ہوئے لاریوں اور ٹرکوں کے نیچے کچلے جانے کا اندیشہ بلکہ اکیلے پن میں اپنے آپ کو ڈھارس دینا اور خود کی حوصلہ افزائی کرنا بھی شامل ہیں۔

اس سفر سے وہ کچھ خیراتی تنظیموں کے لیے جن میں کینسر ریسرچ اور دوسرے امراض بھی شامل ہیں، پیسے اکٹھا کرنا چاہتی ہیں۔سارہ کو امید ہے کہ ان کی یہ مہم نہ صرف چندہ اکٹھا کرنے بلکہ لوگوں کے دلوں میں خود اپنے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ اور مصائب سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گی۔(مئی، جون:2014)

سارہ اوٹن کس وجہ سے "مہم جو خاتون" کے نام سے جانی جاتی ہیں؟(2)

دنیا کے گرد لندن سے لندن تک کا سفر کتنا لمبا ہو گا اور اسے طے کرنے میں کتنا وقت لگے گا؟(2)

عبارت کے مطابق "کایاک" کیا ہے اور عموماً کس طرح استعمال ہوتی ہے؟(3)

وہ سفر کی کامیابی کس کے نام کرنا چاہتی ہیں اور اس بارے میں ان کے کیا تاثرات ہیں؟(3)

اس سفر کی کن تین مشکلات کا تذکرہ کیا گیا ہے؟(3)

اس سفر کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ لوگوں میں کیا جذبہ پیدا کرنا چاہتی ہیں؟(2)

یونانی زعفران

قدیم یونانی زعفران کو شاہی پھول کہا کرتے تھے کیونکہ اس کا رنگ شاہی محل کا پسندیدہ رنگ سمجھا جاتا تھا۔ روم کے اعلیٰ گھرانے اس کی خوشبو کے شیدائی تھے نہ صرف کھانوں میں بلکہ غسل کے پانی میں بھی اس کا استعمال کرتے تھے تاکہ اس کی مہک ان کے بدن اور لباس میں رچی بسی رہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ پودا یونان، روم اور ایران میں اگایا گیا۔ مسلمان حکمران اسے اپنے ساتھ اسپین لے گئے۔ تاجروں اور سیاحوں کے ذریعہ ایشیا کے مختلف حصوں میں پہنچا۔ ہندوستان میں اس کی کاشت صرف کشمیر میں کی جاتی ہے جہاں تقریباً تین ہزار ایکڑ کا علاقہ صرف زعفران کی کاشت کے لیے مخصوص ہے جس سے سالانہ تقریباً پانچ ہزار کلو زعفران حاصل ہوتا ہے۔ زعفران کی کاشت بڑی مہارت کا کام سمجھا جاتا ہے۔ اس کا پودا ڈھلان پر اگایا جاتا ہے۔ اس کے بیج در اصل "بلب" ہوتے ہیں جو چودہ سال تک استعمال میں آسکتے ہیں۔ پودا صرف بیس سے تیس سینٹی میٹر اونچا ہوتا ہے اور ایک وقت میں صرف تین سے چار پھول کھلتے ہیں۔ ہر پھول تقریباً تیس ملی گرام زعفران پیدا کرتا ہے اور ایک کلو زعفران کے حصول کے لیے اندازاً ایک ملین پودوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے زعفران کا شمار قیمتی مصالحہ جات میں کیا جاتا ہے۔ زعفران کئی طبی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کی جراثیم کش خصوصیت کی بنا پر سکندر اعظم اپنے زخموں کو دھونے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے، مصری طبیب مختلف امراض خصوصاً آنتوں کی بیماریوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ چائے میں اس کا استعمال پژمردگی اور ذہنی تناؤ دور کرتا ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق کینسر کی روک تھام میں بھی مددگار ثابت ہوا ہے۔ کئی مذہبی عبادت گاہوں میں اس کا استعمال عام ہے۔ اسے روحانی روشنی حاصل کرنے اور بدی سے نجات کا بھی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ دعاؤں کے علاوہ زعفران عطریات بنانے، کھانوں اور مشروبات میں خوش بو اور ذائقہ بڑھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (مئی، جون: 2014)

زعفران کو شاہی پھول کا خطاب کس نے اور کیوں دیا؟ (2)

رومی اس کا استعمال کن طریقوں سے کرتے تھے؟ اس کی وجہ کیا تھی؟ (3)

زعفران کے حصول کے لیے اتنے زیادہ پودوں کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟(2)

بہت سے لوگوں کی کب اور کیوں ضرورت پڑتی ہے؟(2)

زعفران کن طبی خصوصیات کا حامل سمجھا جاتا ہے؟(3)

مذہبی لحاظ سے زعفران کی کیا اہمیت ہے؟(3)

دونوں عبارتوں میں حاصل کردہ کل نمبر:

دستخط استاد:

سونا

سونا ایک نایاب دھات ہونے کے باوجود دنیا کے ہر خطّہ میں تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ کہیں کم تو کہیں زیادہ۔
خیال کیا جاتا ہے کہ کرۂ ارض کا صرف بیس فی صد سونا اب تک نکالا گیا ہے۔ جس میں سے 75 فی صد سونا 1910 کے بعد نکالا گیا۔ موجودہ سونے کا چوتھائی حصہ بینکوں میں اثاثے کی صورت میں محفوظ ہے۔
دنیا بھر میں زیادہ تر سونا جنوبی افریقہ کی کانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ کانیں بارہ ہزار فٹ کی گہرائی تک جاتی ہیں جہاں درجۂ حرارت لگ بھگ 130 ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے، صرف ایک اونس سونا نکالنے کے لیے فی آدمی 38 گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں چودہ گیلن پانی، ایک گھر میں دس دن استعمال ہونے والی بجلی، اور کئی معدنیات کی ضرورت پڑتی ہے۔ پانچ سوٹن سونا حاصل کرنے کے لیے سال بھر کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔
سونا قدرے نرم دھات ہے اور دباؤ سے مڑ سکتا ہے اس لیے زیورات بناتے وقت چاندی یا تانبے کی تھوڑی سی ملاوٹ ضروری ہوتی ہے۔ سونے سے نہ ہی کسی قسم کی الرجی ہوتی ہے نہ ہی اسمیں زنگ لگتا ہے اس لیے یہ سالہا سال محفوظ رہتا ہے۔ خواتین نہ صرف اسکے زیورات پہنتی ہیں بلکہ اسکی پتلی سی ڈور ملبوسات پر کشیدہ کاری میں بھی استعمال ہوتی ہے۔
پرانے وقتوں میں راجہ مہاراجہ اپنی شان وشوکت کا اظہار سونے کے تخت وتاج اور شاہانہ ملبوسات پر سونے کی کشیدہ کاری سے کیا کرتے تھے۔
زمانۂ قدیم میں یونانی اور 'اِنکا' قبائل اِسے 'سورج دیوتا' کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا پانی سمجھتے تھے۔ اُسوقت اِسکی قدر وقیمت مذہبی لحاظ سے اہم تھی۔ لین دین کے لیے استعمال کرنے کا تصور بھی نہ تھا۔
چند سال پہلے تک ایشیائی کھانوں اور مٹھائیوں میں سونے اور چاندی کے ورق کا استعمال عام تھا۔ یورپ میں ایک زمانے میں مشروبات میں سونے کا پتہّ ڈالا جاتا تھا۔ آجکل طِب میں جوڑوں کے علاج میں بھی اِسکا استعمال کیا جاتا ہے۔
2008 سے سونے کی قیمت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ عالمی معیشت کے خراب ہونے کے خدشات نے لوگوں کو نئے کاروبار میں پیسہ لگانے سے باز رکھا۔ اپنی جمع پونجی بچانے کے لیے سونے کی خریداری کی طرف مائل ہوئے۔ یہی وجہ سونے کی قیمت میں اضافے کا سبب بنی۔

سونا کن مقامات پر پایا جاتا ہے اور اس کے زیادہ تر ذخائر کہاں ہیں؟ (2)

سونا نکالنے کے لیے کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیا وسائل درکار ہیں؟(2)

عبارت کے مطابق سونا آرائش میں کس طرح استعمال ہو تا رہا ہے؟(3)

سونا دوسری دھاتوں سے کس طرح بہتر ہے؟(2)

مذہبی حوالے سے اس کی کیا اہمیت تھی؟(1)

سونا کن طریقوں سے استعمال کیا جاتا تھا؟(2)

سونے کی حالیہ مہنگائی کا سبب کیا ہے؟(2)

(اکتوبر، نومبر:2014)

میڈاغاسکر

میڈاغاسکر کرۂ ارض پر چوتھا بڑا جزیرہ اور سینتالیسواں بڑا ملک ہے۔بحرِ ہند پر واقع یہ جزیرہ 88 میلین سال قابل وجود میں آیا۔ انسانی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں قسم کے حیوانات اور نباتات پھولتے پھلتے رہے۔ 350 قبلِ مسیح جنوبی بورنیو سے آئے ہوئے لوگوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ جلد ہی آس پاس کے ممالک سے لوگ آکر آباد ہونے لگے جن میں عرب بھی شامل تھے۔ یہ آبادی نئی جگہ پر سکونت اختیار کرنے والی سب سے بڑی اور آخری آبادی سمجھی جاتی ہے۔

میڈاغاسکر کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔مئی سے اکتوبر تک موسم خشک اور سرد رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر آنے والی قدرتی آفات خصوصاً آندھی اور طوفان بڑی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ جانیں ضائع ہوتی ہیں، گھر تباہ ہوتے ہیں اور ملک کی معیشت کو بھاری نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ 2004 کے ایسے ہی ایک طوفان میں 170 لوگ جان بحق اور 214,260 بے گھر ہوگئے۔

اِس جزیرہ میں آج بھی انواع و اقسام کے حیوانات اور نباتات اِفراط سے پائے جاتے ہیں۔ کچھ پودوں اور جانوروں کی ایسی اقسام ہیں جو دنیا میں اور کہیں نہیں نظر آتی ہیں۔ لیمر (lemur) کی ایک خاص قسم کے علاوہ دنیا کے دو تہائی گرگٹ یہاں پائے جاتے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ جس کی اونچائی 10 فٹ ہوتی تھی صرف اِس جزیرہ پر ہوا کرتا تھا جو آبادی اور شکار میں اضافہ کے سبب اب ناپید ہو چکا ہے۔

اِس جزیرہ کو قدرت نے حُسن سے نوازا ہے۔ جابجا صاف پانی کی جھیلیں ہیں جن میں انواع و اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے ماہی گیری ایک مقبول پیشہ ہے۔ دوسرا بڑا پیشہ زراعت ہے۔ ہر قسم کی اجناس کے علاوہ لیچی، لونگیں، ونیلا اور کافی بھی دوسرے ملکوں کو فراہم کی جاتی ہیں۔ تیسرا اہم پیشہ سیّاحت ہے۔ اس خوب صورت سرزمین کو دیکھنے کے لئے دنیا بھر سے بے شمار سیّاح آتے ہیں۔ ملک کی معیشت اور ترقی میں یہ تینوں پیشے بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نیلم اور دوسرے قیمتی پتھروں کے علاوہ تانبا، لوہا، کوئلہ اور تیل بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔

یہاں کے لوگ بہترین کاریگر ہیں۔ ریشم کے ملبوسات کھڈی پر بُننے اور کشیدہ کاری میں مہارت رکھنے کے علاوہ لکڑی پر خوبصورت نقش و نگار بنانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ جنگلات کی بہتات ہے۔ کافی لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ درخت کاٹنا اور لکڑی فراہم کرنا ہے۔ جہاں یہ روزگار کا ذریعہ ہے وہاں جنگلی حیات کے خاتمہ کا بھی سبب بن رہا ہے۔

(اکتوبر، نومبر: 2014)

میڈاغاسکر کہاں واقع ہے اور دنیا کے دوسرے جزائر کے مقابلے میں کتنا بڑا یا چھوٹا ہے؟ (2)

قدرت کی کن تباہ کاریوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ ان سے کس طرح نقصان پہنچتا ہے؟(4)

دنیا کے سب سے بڑے پرندے میں کیا خاص بات تھی اور وہ کیوں ناپید ہو گیا؟(3)

ملکی معیشت میں کون سے شعبے پیش پیش ہیں؟(3)

یہاں کے لوگ کس وجہ سے ماہر کاریگر سمجھے جاتے ہیں؟(3)

ایک عجیب وغریب قبیلہ

دنیامیں رونماہونے والی ترقی سے بے خبر، جزائر انڈیمان میں بسنے والے قبائل میں سے ایک قبیلہ سینٹی نیل ہے، جس کی تاریخ ساٹھ ہزار سال پرانی ہے۔ یہ نہ تو اپنے علاقہ میں کسی اجنبی کا آنا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی دنیا سے باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ڈھائی سو لوگ اس جزیرے پر آباد ہیں لیکن بیک وقت تیس یا چالیس افراد سے زیادہ ایک ساتھ نظر نہیں آتے ہیں۔ کسی اجنبی وک دیکھ کر چھپ جاتے ہیں۔ غالباً یہ ان کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔

شکل وصورت میں افریقہ کے باشندوں کی طرح لگتے ہیں۔ رنگت ان ہی کی طرح گہری اور بال گھنگھریالے ہوتے ہیں۔ قد و قامت میں البتہ مختلف ہوتے ہیں، ابھی تک جتنے بھی افراد دیکھے گئے ہیں، کوئی بھی پانچ ساڑھے پانچ فٹ سے لمبا نظر نہیں آیا ہے۔ اِن کی گزر بسر شکار، سمندر سے پکڑی جانے والی مچھلیوں، پھل پودوں اور ان سے حاصل ہونے والے خشک میووں پر ہوتی ہے۔ کاشت کاری یا لین دین کا سلسلہ نہ ہونے کی بناء پر انھیں برادری کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے جب چاہیں، جہاں چاہیں، اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جزیرہ کے کسی بھی حصے میں جاکر آباد ہو جاتے ہیں۔ شکار کے لیے نیزوں اور تیروں کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر کبھی بھولے بھٹکے ملاح سمندر کے اس حصے کی طرف آ جاتے ہیں جہاں یہ قبیلہ آباد ہے تو انہیں اپنے لیے ایک خطرہ سمجھ کر تیروں کی بوچھاڑ سے ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی ہیلی کاپٹر کو دیکھ لیتے ہیں تو اسے ایک عجیب وغریب پرندہ سمجھ کر پوری برادری نیزوں اور تیروں سے مسلح ہو کر مار بھگانے کی کوشش کرتی ہے۔

1967 میں ہندوستانی حکومت نے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں کئی مہمات چلائیں۔ ان میں کشتیوں کے ذریعہ مچھلیوں اور ناریل کے تحفے ساحلِ مندر پر چھوڑ دیے جاتے تھے۔ کبھی یہ تحفے قبول کر لیے گئے اور کبھی کشتی میں بیٹھے افراد کی تواضع کی خاطر تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ کر دی گئی، جس سے کئی جانیں ضائع ہو گئیں۔ اس لیے حکومت نے اس مہم کو ختم کرنے میں ہی بہتری سمجھی۔ اس قبیلے کی حفاظت اور انہیں بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حکومت نے جہازوں، کشتیوں اور سیاحوں پر اس جزیرہ سے پانچ کلو میٹر دور رہنے کی پابندی عائد کر دی۔ (مئی، جون:2015)

ڈھائی سو کی آبادی میں اتنی تعداد میں لوگوں کی نظر آنے کی کیا وجہ ہے؟(1)

یہ افریقہ کے باشندوں سے کس طرح مختلف یا مشابہ ہیں؟(3)

یہ اپنی خوراک کی ضروریات کس طرح پوری کرتے ہیں؟(3)

ان کے لیے اپنی برادری کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جا کر بس جانا کس لیے ممکن ہے؟(2)

بھولے بھٹکے ملاحوں کے ساتھ یہ کیا سلوک کرتے ہیں؟(2)

ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کیا کوششیں کی گئیں؟ اور ان مہمات کو چھوڑنے کی کیا وجہ تھی؟(2)

حکومت کی طرف سے کیا پابندی عائد کی گئی اور کیوں؟(2)

حاصل کردہ نمبر:۔

گولکنڈہ کا قلعہ

گولکنڈہ کے ویران اور برباد کھنڈرات آج بھی اپنی پرانی شان و شوکت اور عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ حیدر آباد (ہندوستان) سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع یہ قلعہ اور شہر اب سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ سولھویں اور سترھویں صدی کے دوران یہ علاقہ ہیروں کی کانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ کوہِ نور، دریائے نور، نور العین اور دوسرے مشہور اور نایاب ہیرے انھی کانوں سے حاصل کیے گئے تھے۔

قطب شاہی خاندان نے اپنے دورِ حکومت میں کئی شہر آباد کیے۔ اسی خاندان کے چوتھے حکمران ابراہیم قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ کی بنیاد ڈالی اور شہر کی حفاظت اور شاہی خاندان اور ان سے منسلک نوابوں اور وزیروں کی رہائش کے لیے گولکنڈہ کا قلعہ تعمیر کیا۔

قلعے اور شہر کی حفاظت کے لیے زبردست انتظامات کیے گئے تھے۔ قلعے کے اردگرد ایک چوڑی فصیل اور اس کے چاروں طرف پچاس فٹ چوڑی خندق بنائی گئی۔ شہر کے اندر داخل ہونے والے لوہے کے بنے وزنی اور نوکیلے پھاٹک ہاتھیوں سے بچاؤ کا ذریعہ تھے۔ دشمنوں کی دور سے آمد کی خبر قلعے کے محافظین تک پہنچانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے گئے تھے وہ اس دور کے ماہر کاریگروں اور انجینئروں کے لیے آج بھی حیرت کا سبب ہیں۔ سب سے زیادہ انوکھا اور حیران کن طریقہ فصیل کے پھاٹک پر تعینات محافظوں کی ایک تالی کے ذریعہ تین سو فٹ اونچی پہاڑی پر بنے قلعے کی چھت "بالا حصار" پر کھڑے پہرے داروں کو دشمن کی آمد سے خبردار کرنے کا تھا۔

اب زبردست حفاظتی تدابیر نے دشمنوں کے حملوں اور مغل بادشاہ اورنگ زیب کی عظیم فوجوں کی نو ماہ کی انتھک کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ افسوس یہ کہ یہ ناقابلِ تسخیر قلعہ ایک فوجی کرنل کی غداری اور لالچ کی بنا پر، جسے اورنگ زیب نے دولت و حشمت اور اعلیٰ درجات سے نوازنے کا وعدہ کیا تھا، دشمنوں کے قبضے میں آ گیا۔ قلعے کی تجوریوں میں محفوظ ہیرے اورنگ زیب کے قبضے میں آ گئے۔ ان میں سب سے بڑا اور نایاب ہیرا "دریائے نور" تھا۔ کیرٹ کا یہ ہیرا عرصہ دراز تک مغل بادشاہوں کے تاج کی زینت بنا رہا۔

گولکنڈہ سے حید آباد جانے والا گیارہ کلومیٹر لمبا راستہ اس زمانے میں ایک مشہور بازار اور اہم تجارتی مرکز ہوا کرتا تھا۔ جہاں بہترین ہیروں، جواہرات اور موتیوں کی خریداری کے لیے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ (مئی، جون:2015)

گولکنڈہ میں کس قسم کی کانیں پائی جاتی تھیں اور ان سے حاصل کی ہوئی کن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے؟(2)

قلعے کی تعمیر کا کیا مقصد تھا؟(2)

دشمنوں کی آمد سے قلعے کے محافظین کو خبردار کرنے کا کون سا انوکھا طریقہ رائج تھا؟(2)

اورنگ زیب اپنے مقصد میں کتنے عرصے میں اور کس طرح کامیاب ہو سکا؟(3)

اورنگ زیب نے ہیرا "دریائے نور" کہاں سے حاصل کیا اور اس کا کیا استعمال کیا گیا؟(3)

گولکنڈہ سے حیدرآباد کتنے فاصلے پر ہے؟ اور یہ راستہ پہلے کیوں اور کس لیے مشہور تھا؟(3)

حاصل کردہ نمارکس:۔

شریف انسان کی بوکھلاہٹ

صبح سویرے الارم کی گھنٹی بجنے پر ڈاکٹر عاصم نے حسبِ عادت اٹھنے کے لیے کروٹ بدلی تو احساس ہوا کہ آج تو چھٹی کا دن ہے۔ اس کم بخت الارم کو رات ہی بند کر دینا چاہیے تھا۔ دو چار کروٹیں بدلیں لیکن پھر آنکھ نہیں لگی۔ بیگم سو رہی تھیں اور بچوں کے اور دو گھنٹے تک اٹھنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ خیال آیا کہ کیوں نہ سیر کو نکل جائیں۔ عرصہ دراز سے بازو والے نذیر صاحب اسی مقصد کے لیے ان کا ساتھ مانگ رہے تھے لیکن یہ ٹال جاتے، اور آج بھی تو مشکل تھا، وہ تو اب گھر لوٹ رہے ہوں گے۔ پھر سوچا چلو پودوں کو پانی ہی دیا جائے۔ مالی کی آج چھٹی ہے اور بیگم بھی خوش ہو جائیں گی۔ یہی سوچتے ہوئے سیدھے غسل خانے کا رُخ کیا۔ نل کھولا تو پانی ندارد۔ فقط چند قطرے ٹپکے۔ دبے پاؤں بچوں کے کمرے کا رخ کیا تو ان کے غسل خانے کی بھی یہی صوت حال تھی۔ ایک دم احساس ہوا کہ ٹینک ٹپکنے کے ڈر سے خود ہی پانی کی سپلائی وقتی طور پر بند کی تھی اور بعد میں کھولنا بھول گئے تھے۔ "اس ٹینک کا کچھ کرنا ہی پڑے گا"۔

یہ عزم لے کر فوراً کپڑے بدل کر قریبی مارکیٹ کی طرف چل پڑے۔ دکانیں سبھی بند تھیں۔ دو گھنٹوں کی خجل خواری کے بعد ایک مستری کا انتظام ہوا۔ بیگم جاگ چکی تھیں اور جان بھی چکی تھیں۔ بہر حال مستری نے ٹینک کا معائنہ کیا۔ دو تین منٹ تک اس کا جائزہ لیا اور پھر کسی اوزار سے ٹینک میں نصب شدہ غبارے کے ساتھ قدرے چھیڑ چھاڑ کی اور کہا کہ اب سب ٹھیک ہے۔

حیرت ڈاکٹر صاحب کو اس وقت ہوئی جب اس نے اجرت ہزار روپیہ مانگی۔ بولے "یار اتنا تو میں بھی نہیں کماتا"۔ مستری بولا "میں بھی یہی سوچتا تھا، جب ڈاکٹر تھا"۔ ڈاکٹر صاحب مزید حیرتوں میں ڈوب گئے۔ اس کے رخصت ہوتے ہی بیگم سے بولے "پانچ منٹ کے کام کے ہزار روپے! میں تو اس پیشے میں جھک مار رہا ہوں۔ یہی نہیں، بچوں کو بھی اسی پیشے کی ترغیب دے رہا ہوں۔ کچھ سوچنا پڑے گا"۔

بیگم جل کر بولیں "ہوش کے ناخن لیں! وہ آپ کو جھوٹ بول کے الو بنا گیا اور آپ ہیں کہ بچوں کے مستقبل کے ارادوں کو بدلنے پر تُل گئے ہیں۔ اتنا ہی متاثر ہیں تو خود پہل کریں"۔ (اکتوبر، نومبر: 2015)

پہلے پیراگراف میں ڈاکٹر عاصم صبح ہی کیوں بیدار ہوئے؟ (2)

اٹھنے پر ڈاکٹر صاحب نے کون کون سے منصوبے بنائے؟ (2)

ڈاکٹر صاحب کو کون سا مسئلہ درپیش تھا اور اس مسئلے کی وجوہات کیا تھیں؟ (3)

مستری کی کون سی باتیں حیران کن تھیں؟ (2)

مستری کی باتوں کا ڈاکٹر عاصم پر کیا اثر تھا؟ (3)

بیگم کا ردعمل کیا تھا؟ اس نے ڈاکٹر صاحب کو کیا جواب دیا؟ (3)

حاصل کردہ مارکس:۔

صفحہ ہستی سے مٹ چکے ایک قبیلے کے آثار

پندرھویں صدی کے "اِنکا" قبائل کی تہذیب و تمدن کے واحد مظہر سطحِ سمندر سے 2430 میٹر کی بلندی پر واقع "ماچو پیچو پہاڑ" پر پائے جانے والے کھنڈرات ہیں۔ماہرین اثارِ قدیمہ کے مطابق یہ کھنڈرات ان عمارتوں کی یاد دلاتے ہیں جو قبیلے کے سردار، اس کے اہلِ خانہ اور اعلیٰ عہدے داروں کی رہائش کے لیے تعمیر کی گئی تھیں۔ مختلف سطحوں پر بنائی گئی عمارات قبیلے کے مختلف طبقوں کے لیے مخصوص تھیں۔ان میں سے ایک سطح مکمل طور پر فوج اور اس کے اعلیٰ افسران کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس جگہ کا علم ان کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔

سربلند چوٹیاں اور گہری وادیاں ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر فصیل کا کام دیتی تھیں۔اِس جگہ سے وادی تک آمد و رفت کا ذریعہ ایک خطرناک اور جان لیوا خفیہ راستہ تھا۔ یہ دراصل وادی سے 570 میٹر بلند درختوں اور رسی سے بنا ہوا تند و تیز دریا کے اوپر سے گزرتا ہوا ایک پُل تھا۔

پہاڑ کی دوسری سطح پر اُمراء اور نچلے طبقے کے لوگ رہائش پذیر تھے۔ایک سطح پر سُرخ دیواروں سے بنے ہوئے گھروں میں مذہبی رہنما اور قبیلے کے دانشور آباد تھے۔یہ سارے علاقے بڑے سرسبز و شاداب تھے۔زمین زرخیز تھی اور پانی کی فراہمی کے لیۓ جابجا بہنے والے قدرتی جھرے اور آبشار تھے۔اس لیے ایک عام آدمی کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی ہوا کرتا تھا۔

"اِنکا" اپنی مذہبی رسومات، کیلنڈر اور وقت معلوم کرنے کے لیے چبوترے پر بنے ہوئے ایک خاص پتھر کا مینار استعمال کرتے تھے۔یہ پتھر بڑا مقدس سمجھا جاتا تھا۔ان کا عقیدہ تھا کہ خلوصِ نیت سے اپنی پیشانی اس پتھر پر رگڑنے سے روحانیت حاصل ہوتی ہے۔مذہبی رہنما اور دانش ورنظامِ شمسی اور ستاروں کی چال پر کافی عبور رکھتے تھے۔یہ اپنی مذہبی رسومات 21 مارچ اور 21 ستمبر ٹھیک دوپہر بارہ بجے شروع کرتے تھے،جب سورج اُس مینار کے بالکل اوپر ہوتا تھا۔ان کے خیال میں سورج کو اپنی جگہ ٹھہرا رکھنے میں اس مینار کا عمل دخل تھا۔

افسوس ہے کہ اپنی جنگی مہارت، اعلیٰ کاری گری اور ہنر مندی کے باوجود سو سال کے اندر اندر "اِنکا" قبیلے کا نام و نشان اور صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔کہا جاتا ہے کہ اسپین سے آنے والے حملہ آوروں اور ان کے ساتھ آنے والی بیماریاں خصوصا چیچک ان کے خاتمے کا سبب بنیں۔1911 میں "ہیرم بِنگم" نے اتفاقیہ طور پر اس جگہ کو دریافت کیا اور اب یہ جگہ دنیا کا ساتواں عجوبہ سمجھی جاتی ہے۔(اکتوبر،نومبر:2015)

ماچو پیچو سمندر سے کتنی اونچائی پر ہے اور یہاں کون سا قبیلہ آباد تھا؟(2)

یہ عمارات کس مقصد سے تعمیر کی گئی تھیں۔(2)

خفیہ راستہ کس طرح خطرناک تھا؟(3)

وادی کی کن خوبیوں کا تعلق ذریعہ معاش کے ساتھ تھا؟(2)

"اِنکا" کس چیز کو مقدس سمجھتے تھے اور اسے کس مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے؟(3)

روحانیت حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا پڑتا تھا؟(1)

"اِنکا" قبیلے کے خاتمے کی کیا وجوہات تھیں؟(2)

حاصل کردہ مارکس:۔

بلتستان کی سرزمین

بلتستان پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا ایک حسین و دل کش پہاڑی علاقہ ہے۔اس کے تین اطراف میں کشمیر، کارگل و لداخ اور گلگت و دیامر کی وادیاں ہیں۔جب کہ شمال میں کوہِ قراقرم کے برف پوش پہاڑی سلسلے بلتستان کو چین کے صوبے سنکیانگ سے جدا کرتے ہیں، بلتستان کے دو اضلاع سکردو اور گانچھے ہیں۔وادیِ سکردو کو علاقے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

قدیم دور میں یہ علاقے "تبت خورد" کے نام سے موسوم تھے۔اس زمانے کے بدھ مت کے آثار آج بھی یہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔اسلام کی آمد ایرانی مبلغین کے ذریعے چودھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ یہاں کی 99 فیصد آبادی مسلمان ہے۔

قدیم حکمرانوں کے تعمیر کردہ محلات اور قلعے عظمتِ رفتہ یاد دلاتے ہیں۔ایرانی، مغل اور کشمیری طرزِ تعمیر کے امتزاج سے بنی قدیم خانقاہوں اور مساجد کو دیکھنے ہر سال ہزاروں سیاح یہاں آتے ہیں۔

قدرت نے اس خطے کو خوبصورت اور مسحور کن مناظر سے خون نوازا ہے۔بلند و بالا پہاڑ کہیں سرسبز ہیں تو کہیں پتھریلے۔ تند و تیز دریاؤں، شفاف جھیلوں، چشموں اور آبشاروں کے علاوہ سینکڑوں اقسام کے پھل دار درخت اور نایاب جنگلی حیات اس جگہ کی کشش اور اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

یہاں کی خوبصورت جھیلیں، شنگریلا، سدپارہ، دیوسائی اور غوراشی وغیرہ ہیں جن کے طلسمی مناظر دشوار گزار راستوں کی تھکان بھلا دیتے ہیں۔ کئی مقامات پر گرم پانی کے چشمے ابلتے ہیں، جن میں مقامی لوگ غسل کرتے ہیں۔ان چشموں میں گندھک کی آمیزش ی وجہ سے لوگ جِلدی بیماریوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

اس ٹھنڈی جنت کے مکینوں کے لیے موسم سرما کی برف باری بھی موسم گرما اور بہار کی طرح خوشیوں کا پیغام لاتی ہے، کیونکہ مقامی لوگوں کی زندگی کا دارومدار قدرتی وسائل پر ہے۔ گلیشئر اس علاقے میں خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔قدیم دور میں قدرتی گلیشئر کے علاوہ یہاں چھوٹے گلیشئروں پر ملکیت کی منفرد روایت بھی رہی ہے۔ان گلیشئروں سے یہاں کے محنت کش آب پاشی کے لیے پانی حاصل کرتے ہیں۔

اگرچہ بلتستان کے حسین قدرتی مناظر سیاحوں کے لیے بے پناہ کشش رکھتے ہیں، لیکن اس خطے سے واقفیت رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ بلتستان کی سب سے انمول خصوصیت یہاں کے لوگوں کی سادہ اور نرم طبیعت، امن پسندی، رواداری اور خلوص ہے۔ آمد و رفت اور مواصلات کے ذرائع میں ترقی کے سبب اب یہاں کے لوگ بھی زندگی کی جدید دہولیات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔(مئی، جون:2016)

بلتستان کے اطراف میں کون سی وادیاں واقع ہیں؟ کون سا ضلع مرکزی اہمیت کا حامل ہے؟(3)

بلتستان میں اسلام کی آمد کب اور کس کے ذریعے ہوئی؟(2)

بلتستان کی تاریخی عمارات کس کی یاد دلاتی ہیں؟ سیاح یہاں کیا دیکھنے آتے ہیں؟(3)

مقامی لوگ یہاں کے چشموں کو کس طرح استعمال کرتے ہیں؟(2)

قدیم دور میں یہاں کون سی منفرد روایت پائی جاتی تھی؟لوگ اس سے کیا فائدہ حاصل کرتے تھے؟(2)

عبارت کے مطابق بلتستان کی سب سے زیادہ انمول خصوصیات کیا ہیں؟(3)

حاصل کردہ مارکس:۔

دنیا کا پہلا باقاعدہ مفکر

سقراط کی شہرت سے بھلا کون اہلِ علم واقف نہیں۔ وہ سوال کرنے اور سوالات کے جوابات دینے میں بہت ذہین اور ماہر تھا۔ اس کی کوئی لکھی ہوئی تصنیف ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ آج اس کے متعلق جو کچھ معلومات موجود ہیں، وہ اس کے شاگرد کے طفیل سے ہیں۔ ایک "زینوفن" یعنی وہ جرنیل جس نے مشہور کتاب "اناباسس" لکھی، اور دوسرا افلاطون جس نے "فلسفیانہ مکالمات" لکھے۔ ان میں افلاطون نے صرف سقراط کے اقوال نقل کیے ہیں اور اپنا کوئی قول نہیں لکھا۔

سقراط 469 قبل مسیح کے قریب "ایتھنز" میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک سنگ تراش تھا اور ماں دائی تھی۔ انھوں نے بیٹے کو علم ہندسہ، فلکیات، موسیقی اور پہلوانی کی تعلیم دی۔ یونان میں انھیں علوم کا رواج تھا۔ سقراط نے ایتھنز میں سپاہی کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں اور علم و حکمت میں بھی نام پیدا کیا۔ اس کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ اسے آرام آرائش کے سامان سے نفرت تھی۔ وہ سادہ غذا اور لباس استعمال کرتا تھا۔ زینوفن لکھتا ہے کہ اس کی بیوی انتہائی تند مزاج اوت جھگڑالو عورت تھی لیکن سقراط اپنے آپ کو صبر ضبط سکھانے کے لیے اس کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا۔

سقراط کے لیے زندگی کا سب سے بڑا ہدف یہ تھا کہ علم کو پھیلائے۔ اس کا اعتقاد تھا کہ علم ہی سے اخلاقی کردار پیدا ہوتا ہے۔ اس کا اصول تھا "نیکی علم ہے، بدی جہالت ہے"۔ اس نے روایتی فطریقوں سے ہٹ کر سوالات کے ذریعے تحقیق و تجسس بیدار کرنے کا اصول اپنایا۔ اس کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ گفتگو کرو، سوالات کرو، جواب دو اور جواب لو، اور بار بار بحث مباحثہ کرو، یہاں تک کہ مسئلے کے تمام گوشے سامنے آ جائیں۔ یہی طریقہ بعد میں افلاطون اور اس کے شاگردوں نے بھی اپنایا۔

کچھ ہی عرصے میں ہر طرف سقراط کے چرچے ہونے لگے۔ وہ جہاں جاتا سامعین پر چھا جاتا۔ اس عمل سے ایتھنز کے نام نہاد دانا بھڑک اٹھے۔ انہوں نے سقراط کے خلاف ماحول بنانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ 399 قبل مسیح میں ایتھنز کے حکام نے سقراط پر یہ الزام لگایا کہ وہ پرانے دیتاؤں سے بیزار ہے اور نئے دیوتا متعارف کروا رہا ہے اور نوجوانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ چند ووٹوں کی اکثریت سے اسے عدالت نے مجرم قرار دیا اور اسے زہر کا پیالہ پینے کا حکم دیا۔ سقراط نے زندگی کا آخری دن اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کرنے میں گزارا اور شام کو نہات سکون اور وقار کے ساتھ زہر کا پیالہ دے کر جان دے دی۔ (مئی، جون:2016)

سقراط کی شہرت کی وجہ کیا تھی؟(2)

____

____

____

افلاطون کا سقراط کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ اس کے فلسفیانہ مکالمات کی دو خصوصیات کیا تھیں؟(2)

____

سقراط نے کن مضامین میں تعلیم حاصل کی؟ اس نے مُعلم کے علاوہ کس حیثیت سے خدمات انجام دیں؟ (3)

سقراط کے مطابق زندگی کا سب سے بڑا مقصد کیا تھا؟ عِلم کے متعلق اس کا کیا نظریہ تھا؟ (2)

سقراط نے تعلیم دینے کا کیا طریقہ اپنایا تھا؟ (2)

سقراط پر کیا الزام تھا؟ عدالت نے اس کو کیا سزا سنائی؟ (2)

سقراط نے آخری دن کس طرح گزارا؟ (1)

زیتون کے حیرت انگیز فوائد

زیتون کا درخت دنیا میں قدیم ترین کاشت کیے جانے والے درختوں میں سے ہے۔ اس کی کاشت کا آغاز ایشیائے کوچک کے علاقوں میں 6000 سال قبل ہوا۔ اس کے بعد یہ یورپ، افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں متعارف ہوا۔

قدیم یونانی زیتون کو دیوتاؤں کا تحفہ قرار دیتے تھے۔ کھانوں اور مذہبی رسومات میں استعمال کے علاوہ اس کو فتح اور خوش بختی کی علامت بھی سمجھا جاتا تھا۔ مقابلوں میں جیتنے والوں کو زیتون کی شاخوں اور پتوں سے بنا ہوا تاج پہنایا جاتا تھا۔ اسلام میں بھی زیتون کی افادیت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے درخت کو بابرکت سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں تقریباً 800 ملین زیتون کے درخت موجود ہیں۔ مختلف علاقوں میں اس کی 500 کے قریب اقسام پائی جاتی ہیں۔ مختلف قسموں سے تعلق رکھنے کے علاوہ زیتون کے پھل کی ساخت، جسامت اور رنگ کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ پھل کو درخت پر کتنے عرصے تک پکنے دیا گیا ہے۔ ابتداء میں اس کا پھل زردی مائل سبز ہوتا ہے جو کئی ماہ درخت پر پکنے کے دوران سبز، ہلکا بھورا، گہرا جامنی اور آخر کار سیاہ رنگت اختیار کر لیتا ہے۔ تیل بنانے کے لیے مکمل طور پر پکا ہوا پھل بہترین سمجھا جاتا ہے، تاکہ اس میں تیزابی مادے کم مقدار میں ہوں۔ البتہ کھانے کے لیے زیتون کا پھل آغاز سے لے کر مکمل پکنے تک ہر مرحلے پر قابل استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیتون مختلف رنگوں، ذائقے، اور ساخت میں دستیاب ہوتے ہیں۔

زیتون کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات حیران کن ہے کہ درخت سے اتارنے کے بعد تیاری کے عمل سے گزارے بغیر اس کو کھانا ممکن نہیں، کیونکہ اس کا ذائقہ ناقابل برداشت حد تک تلخ ہوتا ہے۔ تیاری کے طویل مراحل سے گزر کر زیتون اپنا خاص ذائقہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے لیے مختلف طریقے رائج ہیں جن میں نمک اور پانی کے محلول میں بھگونے کا طریقہ سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ صرف پانی میں بھگو کر یا نمک میں دبا کر بھی زیتون کی کڑواہٹ دور کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے چھ ہفتوں سے لے کر کئی مہینوں تک کا وقت درکار ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اس کا ذائقہ مزید بہتر بنانے کے لیے تیاری کے دوران مختلف جڑی بوٹیاں اور مصالحے بھی شامل کرتے ہیں۔

زیتون کا تیل پھل کو پیسنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پیسنے کے بعد اس میں سے پانی اور ٹھوس اجزاء الگ کر لیے جاتے ہیں۔ بے شمار طبی خواص کی وجہ سے یہ تیل کھانوں میں استعمال کے لیے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس کا استعمال عارضۂ قلب، فشارِ خون یا کولیسٹرول کی زیادتی اور فالج جیسی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ بالوں کی مضبوطی اور جسمانی چستی کے لیے اس کا مساج مفید سمجھا جاتا ہے۔

(اکتوبر، نومبر: 2016)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قدیم یونانیوں کا زیتون کے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ اسے کن طریقوں سے استعمال کرتے تھے؟

____

____

[3] ____

زیتون کی کتنی اقسام ہیں؟ اور اس پھل کے مختلف رنگ، ذائقوں اور جسامت میں دستیاب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

____

[2] ____

تیل کی تیاری کے لیے زیتون کس مرحلے پر بہترین سمجھا جاتا ہے؟ اسکی وجہ کیا ہے؟

____

[2] ____

عبارت کے مطابق زیتون تازہ حالت میں کیوں نہیں کھایا جاتا؟ اس کی تیاری کے تین طریقے لکھیں۔

____

____

____

[4] ____

زیتون کے پھل سے تیل کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟

____

[2] ____

زیتون کا تیل کن طبی خصوصیات کا حامل سمجھا جاتا ہے؟

____

[2] ____

کل مارکس:۔

دستخط استاد مع تاریخ:۔

روئے زمین پر سمندر کی اہمیت

نظام شمسی میں ہمارے سیارے کی انفرادیت کی وجہ صرف سمندر ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ڈھائی ارب سال پہلے سمندری حیات کی ابتداء کے بعد زمین پر زندگی کا آغاز ہوا۔ زمین کی آب وہوا، پہاڑوں کے خدوخال اور زمین پر بسنے والوں کے رہن سہن کا انحصار سمندر پر ہے۔ بادل، بارش، برف، دریا اور جھیلیں سمندری پانی کے عمل سے بنتے ہیں۔ لاکھوں برس سے سورج سمندر کے پانی کو بخارات میں تبدیل کرتا اور دوبارہ دریاؤں سے سمندروں میں پہنچاتا آرہا ہے۔

سمندر ہمیشہ سے نا صرف انسانوں کے لیے خوراک کا وسیلہ، بلکہ نقل وحمل کا ذریعہ بھی رہا ہے۔ موجودہ دور میں انسان سمندر سے قیمتی اشیاء مثلاً تیل اور دیگر معدنیات بھی نکالتا ہے۔ معدنی تیل کا چوتھا حصہ سمندر سے نکالا جارہا ہے۔ مچھلی کا شکار ایک بڑی صنعت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ سمندری مخلوق اتنی تیزی سے اپنی آبادی میں اضافہ نہیں کر سکتی جس تیزی سے اس کا شکار کیا جارہا ہے۔

سمندر کے ذریعے تیل کی نقل وحرکت سمندری حیات کو کئی خطرات سے دوچار کرتی ہے۔ آئیل ٹینکروں کے حادثات کی صورت میں تیل سمندر کی سطح پر پھیل کر سورج کی روشنی کو پانی میں پہنچنے سے روکتا ہے۔ معدنی تیل میں موجود تار کول سمندر کی تہہ میں بیٹھ کر پودوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جب یہ تیل لہروں کے ذریعے ساحلی علاقوں تک پہنچتا ہے تو آبی پرندوں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

نیوکلیائی اور صنعتی فاضل مادوں کو صفائی کے مخصوص عمل سے گزارے بغیر سمندر میں تلف کر دینا بھی سمندر کی غذائی زنجیر پر تباہ کن اثرات مرتب کرتا ہے۔ فصلوں پر کیڑے مار ادویات اور کیمیائی کھاد کا کثرت سے استعمال نہ صرف زیرِ زمین پانی کے ذخیروں کو آلودہ کرتا ہے بلکہ بارش کا پانی اپنے ساتھ ان ادویات کو دریاؤں اور پھر سمندروں تک لے جاتا ہے۔ یہ کیمیائی مادے اتنی جلدی اپنا اثر ختم نہیں کرتے، چنانچہ پانی میں مل کر چھوٹے جانداروں تک پہنچتے ہیں۔ یہ جاندار غذائی زنجیر میں شامل ہو کر بالآخر مچھلیوں پر اثر انداز ہو کر انسانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

انسانی آبادیوں کا کوڑا کرکٹ اور گندا پانی جتنی مقدار میں سمندر میں پہنچتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج سمندر دنیا کا سب سے بڑا کوڑادان بن چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کے لیے زمین پر زندگی کو محفوظ بنانا ہے تو ضروری ہے کہ ہم سمندر کو آلودگی سے بچانے کے لیے بھی اقدامات کریں۔ صنعتی اور گھریلو فضلات دونوں آلودگی کے مرکبات ہیں، لہٰذا دونوں صورتوں میں استعمال شدہ پانی کو سمندر میں ڈالنے سے پہلے صفائی کے پلانٹ میں صاف کرنا اور زہریلے مواد سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔

(اکتوبر، نومبر: 2016)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

زمین دوسرے سیاروں کی نسبت کیوں منفرد ہے؟ زمین پر زندگی کی ابتداء کب ہوئی؟

____

[2] ______________________________

عبارت کے مطابق انسان سمندر سے کیا فوائد حاصل کرتا ہے؟

____

____

[3] ______________________________

آئیل ٹینکروں کے حادثات سے سمندری حیات کس طرح متاثر ہوتی ہے؟

____

[2] ______________________________

سمندر میں پہنچنے والے کیمیائی مادے انسانوں تک کن مراحل سے گزر کر منتقل ہوتے ہیں؟

____

____

[3] ______________________________

عبارت میں سمندر کو دنیا کا سب سے بڑا کوڑادان کیوں قرار دیا گیا ہے؟

____

[2] ______________________________

سمندر کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا اقدامات کیے جا سکتے ہیں؟

____

____

[3] ______________________________

حاصل کردہ مارکس:۔

دستخط استاد مع تاریخ:۔

نمک کی کان

نمک ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے اس لیے ہم باآسانی یہ تصور کرلیتے ہیں کہ معدنی اور سمندری ذرائع سے حاصل ہونے والا زیادہ تر نمک ہمارے کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ درست نہیں ہے۔ اگرچہ ہم سب نمک کے عام استعمال سے واقف ہیں مثلاً کھانوں میں ذائقہ بڑھانے کے لئے یا انہیں زیادہ عرصے تک محفوظ رکھنے کے لیے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال تقریباً دو سو ملین ٹن نمک کی کُل پیداوار کا 94 فی صد حصہ مختلف صنعتی اور زرعی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یا پھر سرد علاقوں میں سڑکوں سے برف صاف کرنے کے کام آتا ہے۔

معدنی نمک کے ذخیروں میں ایک اہم اور بڑا ذخیرہ پاکستان میں واقع کوہستانِ نمک ہے، جو 300 کلومیٹر لمبا پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہاں کھیوڑہ کے مقام پر دنیا کی دوسری بڑی نمک کی کانیں واقع ہیں۔ یہ کانیں انیس منزلوں پر مشتمل ہیں، جن میں سے گیارہ منزلیں زیرِ زمین ہیں۔ کانوں کے اندر 400 کلومیٹر لمبے راستے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقے میں نمک کی دریافت اس وقت ہوئی جب سکندرِ اعظم اپنی فوج کے ساتھ دریائے جہلم پار کر کے اس علاقے میں آیا۔ اس کے لشکر میں شامل گھوڑوں کو اس جگہ کے پتھر چاٹتے ہوئے پایا گیا، جس سے یہاں نمک کی موجودگی کا پتا چلا۔

تجارتی بنیادوں پر یہاں سے نمک نکالنے کا آغاز مغلیہ دور میں ہوا، لیکن قدیم ذرائع آمدورفت اور کان کنی کے روایتی طریقۂ کار کی بنا پر نمک کی پیداوار کم تھی اور یہاں سے نمک صرف وسط ایشیاء کے علاقوں تک ہی بھیجا جاتا تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد نمک نکالنے کے جدید طریقے متعارف کروائے گئے اور ان کانوں کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔

2003 ء سے کان کے ایک حصے کو سیاحتی مقام کے طور پر مخصوص کر دیا گیا ہے۔ بہت سے مقامی اور بیرونی سیاح ہر سال انہیں دیکھنے آتے ہیں۔ ایک ٹرین کے ذریعے سیاح کان کے اندرونی حصّے تک جاسکتے ہیں۔ کان میں نمک سے تراشی گئی گھریلو آرائش کی اشیاء لوگوں کی خصوصی دلچسپی کا باعث ہیں۔ مختلف رنگوں کے نمک کی اینٹوں سے مشہور عمارات کے ماڈل اور ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے۔

اپنی معاشی اہمیت کے علاوہ یہ کان ایک اور حیرت انگیز خاصیت کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ کان کے اندر کی فضا میں نمک کے جراثیم کش اثرات الرجی اور دمے کے مریضوں کے لیے فائدہ مند تصور کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے یہاں 12 بستروں پر مشتمل ایک ہسپتال بھی بنایا گیا ہے، جہاں نمک سے بنے کمروں میں دمے کے مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔

(مئی، جون:2017)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تصور کیوں غلط ہے کہ نکالا جانے والا زیادہ تر نمک ہمارے کھانوں میں استعمال ہوتا ہے ؟

[1] ______________________________

کس بنا پر کھیوڑہ میں نمک کی دریافت کو حادثاتی کہا جاسکتا ہے؟ دو باتیں لکھیں۔

____

[2] ______________________________

ابتداء میں نمک کی تجارت کیوں محدود تھی؟ دو باتیں لکھیں۔

____

[2] ______________________________

انگریزوں کی آمد نے نمک کی کانوں پر کیا اثرات مرتّب کیے؟ تین باتیں لکھیں۔

____

____

[3] ______________________________

عبارت کے مطابق کھیوڑہ کی معاشی اہمیت کی دو وجوہات بیان کریں۔

____

[2] ______________________________

کان کے اندر سیاحوں کی دلچسپی کی کیا چیزیں موجود ہیں؟ دو باتیں لکھیں۔

____

[2] ______________________________

سیاحوں کے علاوہ کان میں اور کون لوگ جانا چاہیں گے اور کیوں؟ تین باتیں لکھیں۔

____

____

[3] ______________________________

حاصل کردہ مارکس:۔

شہد کی مکھی

ہمارے نظامِ زندگی میں شہد کی مکھیاں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں میں ان کی تیزی سے گرتی ہوئی تعداد تشویش کا باعث ہے۔ یہ بات دنیا کے سائنس دانوں کے لیے پریشان کن ہے کیوں کہ اس کی اصل وجوہات ابھی تک معلوم نہیں کی جا سکیں۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ اس کا ممکنہ سبب کیڑے مار ادویات اور آلودگی میں اضافہ ہے، جو کہ ہماری بقا کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ شہد کی مکھیوں کا وجود ہمارے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ہوا اور پانی۔ دنیا کی نوّے 90 فی صد غذائی اجناس کی پیداوار کا دارومدار شہد کی مکھیوں کی محنت پر ہے۔

شہد کی مکھیوں کا چھتّہ ایک انتہائی منظم اور مربوط کالونی ہوتا ہے، جہاں ہر رکن کا کردار یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ ہر کالونی ایک ملکہ مکھی، چند سو نر ڈرون مکھیوں اور 20 ہزار سے 80 ہزار تک مادہ کارکن مکھیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ انسانی نظام کے برعکس نر مکھیوں کی تعداد مادہ مکھیوں کے مقابلے میں انتہائی قلیل ہوتی ہے اور خطرے کی صورت میں صرف مادہ مکھیاں ہی حملہ آور ہوتی ہیں۔ چھتے کی آبادی بہت زیادہ ہو جانے پر ملکہ تقریباً آدھی کارکن مکھیوں کے ساتھ چھتا چھوڑ کر نئی جگہ منتقل ہو جاتی ہے۔

چھتے کی زندگی میں سب سے زیادہ فعّال کردار بالغ کارکن مکھیاں ادا کرتی ہیں۔ یہ مکھیاں اپنی زندگی کے پہلے دو ہفتے چھتے کی اندرونی ذمہ داریاں نبھاتی ہیں۔ اس دوران چھتے کی صفائی، موم بنانے، درجۂ حرارت کو کنٹرول کرنے اور چھتے کی حفاظت جیسے مختلف کاموں کے لیے مرحلہ وار انکے کردار بدلتے رہتے ہیں۔ لاروؤں کی دیکھ بھال اور ان کو خوراک کی فراہمی کے علاوہ کسی بیماری کے حملے کی صورت میں یہ مکھیاں طبی ماہرین کی طرح بیماری کی شدت کے لحاظ سے شہد کی مختلف خوراکوں سے بیمار مکھیوں کا علاج بھی کرتی ہیں۔

شہد کی مکھی کو قدرت نے حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ شہد کی مکھیاں دیگر حشرات کی طرح جگہوں کے تعیّن کے لیے سورج پر انحصار کرنے کے بجائے ممالیہ جانوروں کی طرح شناسا جگہوں کے ذہنی نقشے استعمال کرتی ہیں۔ مطلوبہ جگہ کی سمت اور فاصلے کے متعلق آپس میں معلومات کا تبادلہ بھی کرتی ہیں۔ سونگھنے کی انتہائی حساس قوت کی بدولت یہ نا صرف لمبے فاصلوں سے پھولوں کی موجودگی کو محسوس کر سکتی ہیں، بلکہ مختلف پھولوں کی خوشبو میں تمیز بھی کر سکتی ہیں۔ اس بے مثال صلاحیت کی وجہ سے موجودہ دور میں شہد کی مکھیوں کو منشیات اور بارود کی موجودگی کا سراغ لگانے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس ننھی مخلوق کی انتھک محنت انسان کو شہد جیسی پاکیزہ اور انمول نعمت تو فراہم کرتی ہی ہے، مگر اس کی زندگی میں ہمارے سیکھنے کے لیے بھی بہت کچھ موجود ہے۔

(مئی، جون: 2017)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

عبارت کے مطابق شہد کی مکھیوں کی تعداد میں کمی کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟ دو باتیں لکھیں۔

[2]

مصنّف کے خیال میں شہد کی مکھیوں کے بغیر دنیا میں زندگی کیوں ناممکن ہو گی؟

[1]

عبارت کے مطابق چھتے کے نظام اور انسانی زندگی کے نظام میں دو مشابہ اور دو مختلف باتیں لکھیں۔

[4]

چھتے کی دیکھ بھال سے متعلق کارکن مکھیوں کی تین ذمہ داریاں لکھیں۔

[3]

کارکن مکھیوں کو کس پیشے سے تشبیہ دی گئی ہے اور کیوں؟

[2]

شہد کی مکھیوں اور ممالیہ جانوروں میں کونسی خاصیّت یکساں ہے؟

[1]

شہد کی مکھیوں کی کون سی حِس انتہائی طاقتور ہوتی ہے؟ آج کل ان سے کیا کام لیا جا رہا ہے؟

[2]

حاصل کردہ مارکس:۔

سُچا موتی

مروارید یا سچا موتی ایسا قیمتی پتھر ہے جو سمندر کی تہہ میں پائے جانے والے جاندار سیپ یا گھونگے کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اسے دوسرے قیمتی پتھروں کی طرح تراشنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ قدرتی طور پر تراشا ہوا اور بے عیب چمک دار ہوتا ہے۔ قدرتی موتی اس وقت پرورش پانا شروع کرتا ہے جب ریت کا کوئی باریک ذرّہ کسی گھونگے کے خول کے اندر داخل ہو کر اس کے جسم میں سوزش کا باعث بنتا ہے۔ اِس تکلیف سے نجات کے لیے گھونگا کیلشیم کاربونیٹ کی تہیں ذرّے کے گرد چڑھانے لگتا ہے، یہاں تک کہ ایک تابدار موتی وجود میں آجاتا ہے۔ فارمنگ کے ذریعے موتیوں کی پیداوار بھی اسی طریقے پر ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ حادثاتی طور پر کسی ذرّے کے سیپ کے اندر پہنچنے کے بجائے موتیوں کے کاشتکار خود ریت کے ذرّے یا نقلی موتی کو سیپ کے اندر رکھ دیتے ہیں، جہاں اسی طریقے سے اس پر کیلشیم کاربونیٹ کی تہیں بننا شروع ہو جاتی ہیں۔

گھونگوں کے خول کی اندرونی تہہ کی رنگت کے لحاظ سے موتی کا رنگ بھی سفید، گلابی، سبز، نیلا، پیلا، سرمئی یا سیاہ ہو سکتا ہے۔ سفید موتی سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، جبکہ سیاہ موتی سب سے قیمتی اور نایاب سمجھے جاتے ہیں۔ موتی کی قیمت کا تعیّن اس کے رنگ، سائز اور سطح کے معیار کے مطابق کیا جاتا ہے۔ زیبائش کے علاوہ اصلی موتی بعض دوائیوں، کاسمیٹکس اور رنگ تیار کرنے میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے تک موتیوں کی فارمنگ کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ سمندروں یا جھیلوں میں غوطہ خوری کے ذریعے گھونگوں کو نکال کر موتی تلاش کئے جاتے تھے۔ اس طریقے سے تین چار اچھے موتی حاصل کرنے کے لیے ایک ٹن سے بھی زیادہ گھونگے نکالنا پڑتے تھے۔ اس کام کے لیے اکثر غوطہ خوروں کو مخصوص لباس اور حفاظتی تدابیر کے بغیر سو فٹ سے زیادہ گہرائی میں جانے پر مجبور کیا جاتا تھا، جہاں انہیں سمندری جانوروں سے بھی خطرہ ہوتا اور دیر تک سانس روکنا بھی نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح حاصل ہونے والے موتی تعداد میں کم اور بہت قیمتی ہوتے تھے۔ عموماً غیر معمولی طور پر بڑا موتی حاصل ہونے پر اسے علاقے کے حکمران کی ملکیّت سمجھا جاتا اور بازار میں کھلے عام فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج کل فارمنگ کے ذریعے ہر سال کئی بلین موتی حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بحرین اور آسٹریلیا میں قدرتی طریقے سے پیدا ہونے والے موتیوں کی تلاش کا کام بھی جدید آلات استعمال کر کے کیا جاتا ہے۔

(اکتوبر، نومبر: 2017)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

17 عبارت میں موتی اور دیگر قیمتی پتھروں میں کون سے دو فرق بیان ہوئے ہیں؟

[2]

18 موتی بننے کے عمل کو حادثاتی کیسے کہا جا سکتا ہے؟

[1]

19 موتیوں کی تیّاری کے طریقے میں انسان قدرتی عمل کی کیسے نقل کر سکتا ہے؟

[1]

20 کون سی خصوصیات موتی کی قیمت پر اثر انداز ہوتی ہیں؟ تین باتیں لکھیں۔

[3]

21 زیورات کے علاوہ موتیوں کا استعمال کہاں کیا جاتا ہے؟

[3]

22 قدرتی ماحول میں موتیوں کی تلاش میں غوطہ خوروں کے لیے کیا خطرات تھے؟ تین باتیں لکھیں۔

[3]

23 آج کل موتیوں کے حصول کے طریقہ کار میں کیا تبدیلی آئی ہے؟

[2]

[Total: 15]

آگ

آگ کا استعمال انسان ہزاروں برس سے کرتا چلا آرہا ہے، لیکن آج سے چار سو سال پہلے تک آگ جلانے کے لیے چقماق یا سورج کی شعاؤں سے کام لیا جاتا تھا۔ اسی لیے اکثر گھروں میں چولہے میں جلنے والی آگ کو پوری طرح بجھنے نہیں دیا جاتا تھا تاکہ بوقت ضرورت آسانی سے آگ سلگائی جاسکے۔ ماچس کا استعمال سترہویں صدی عیسوی میں شروع ہوا، جب فاسفورس کی آتش گیر خصوصیات دریافت ہوئیں۔ ابتدائی دور کی ماچس میں تیلی کے ایک سرے پر لگے کیمیائی مرکب کو گندھک کے تیزاب میں ڈبویا جاتا تھا، جس سے شعلہ تیز آواز سے بھڑک کر جل اٹھتا۔ مزید آسانی کے لیے تیزاب کو شیشے کے ایک کیپسول میں بھر کر اس کے اوپر آتش گیر مصالحے کی تہہ چڑھادی گئی۔ کاغذ میں لپٹے ہوئے اس کیپسول کو دبا کر توڑا جاتا تو وہ آگ پکڑ لیتا تھا۔ لیکن جلنے کی ناگوار بُو اور خطرناک طریقۂ استعمال کی وجہ سے ان کیمیائی ماچسوں کو کوئی خاص مقبولیّت حاصل نہ ہو سکی۔

اگرچہ دو سطحوں کو رگڑ کر آگ پیدا کرنے کا طریقہ قدیم زمانے سے رائج تھا، لیکن اس طریقے سے جلنے والی ماچس 1826ء میں ایجاد ہوئی، جب جان واکر نامی ایک ماہرِ ادویات نے لیبارٹری کے آلات کی صفائی کے دوران فاسفورس کو رگڑنے پر آگ پکڑتے دیکھا۔ اس نے پہلی جدید ماچس کی ڈبیا متعارف کرائی جس میں تیلیوں کو رگڑ کر جلانے کے لیے ریتیلے کاغذ کا ٹکڑا بھی رکھا ہوتا تھا۔ یہ ماچس نسبتاً بہتر تھی، مگر اب بھی جلتے ہوئے حصّے کے ٹوٹ کر گرنے سے لباس یا قالین جل جاتے۔ 1836ء میں ہنگری سے تعلّق رکھنے والے کیمسٹری کے ایک طالب علم نے ایسی ماچس ایجاد کی جس کا مصالحہ رگڑ کر جلانے پر بکھرتا نہیں تھا۔ اس کے بعد ماچس بنانے کی بہت سی فیکٹریاں قائم ہوگئیں۔ اس وقت تک ماچسوں میں سفید فاسفورس کا استعمال ہو رہا تھا، جس کے انتہائی زہریلے اثرات کی وجہ سے ماچس کی فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور دانتوں اور ہڈیوں کی مہلک بیماری کا شکار ہونے لگے۔ اس کے علاوہ ماچس کی ایک ڈبیا میں سفید فاسفورس کی اتنی مقدار موجود ہوتی جو ایک انسان کی جان لے سکتی تھی۔ اس بنا پر ماچس کی تیلیوں پر لگے مصالحے کو کھانے سے حادثاتی اموات اور خودکشی کے بھی کئی واقعات سامنے آئے۔ 1888ء میں سفید فاسفورس کے استعمال کے خلاف متعدّد مظاہروں، ہڑتالوں اور تحریری احتجاج کے نتیجے میں یورپ کے مختلف ممالک نے اس پر پابندی عائد کرنا شروع کر دی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں محفوظ ماچس بنانے کے لیے سرخ فاسفورس کا استعمال کیا گیا، جو نقصان دہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ آتش گیر اجزاء کو الگ الگ کر کے ماچس کی تیلی اور رگڑنے والی پٹّی پر لگا دیا گیا اور مزید حفاظت کی خاطر پٹّی کو ڈبیا کے باہر کی جانب لگایا گیا۔ یہ محفوظ ماچس اب دنیا میں ہر جگہ باآسانی دستیاب ہے اور انواع و اقسام کے لائٹرز کی موجودگی کے باوجود اس کی اہمیّت میں کمی نہیں آئی۔

(اکتوبر، نومبر: 2017)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

24 ماچس کی ایجاد سے پہلے آگ جلانے کے کون سے طریقے رائج تھے؟ دو باتیں لکھیں۔

[2]

25 عبارت کے مطابق ماچس کی ایجاد کیسے ممکن ہوئی؟

[1]

26 کیمیائی ماچسوں کی ناکامی کی کیا وجوہات تھیں؟ دو باتیں لکھیں۔

[2]

27 رگڑ کر جلانے والی ماچس اور کیمیائی ماچس میں کیا فرق تھا؟ دو باتیں لکھیں۔

[2]

28 ماچس میں سفید فاسفورس کا استعمال کن نقصانات کا باعث تھا؟ تین باتیں لکھیں۔

[3]

29 سفید فاسفورس پر پابندی کن اقدام کے نتیجے میں نافذ کی گئی؟ دو باتیں لکھیں۔

[2]

30 آج کل استعمال ہونے والی ماچس میں کیا حفاظتی تدابیر اختیار کی گئی ہیں؟ تین باتیں لکھیں۔

[3]

[Total: 15]

ہاتھیوں کا جزیرہ

دریائے نیل دنیا کا سب سے لمبا دریا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 6670 کلو میٹر ہے۔ افریقہ کی سب سے بڑی جھیل وکٹوریہ اس دریا کا ماخذ ہے۔ مصر کی آبادی کی اکثریت اور تمام شہر اسی دریا کے کنارے آباد ہیں۔ دریائے نیل سال کے بارہ مہینے شان و شوکت سے بہتا ہے اور زمانہ قدیم سے مصر کی تاریخ کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ اسوان ڈیم سے نکلنے کے بعد یہ دریا صدیوں پرانے جزیروں کو قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ چھوٹے بڑے ان جزیروں کی کل تعداد 144 ہے۔ ان میں ایک جزیرہ ایلی فینٹن یا ہاتھیوں کا جزیرہ کہلاتا ہے۔ یہ مصر کے جنوبی علاقے میں جدید اسوان شہر کا حصّہ ہے۔ ایک مفروضے کے مطابق کسی زمانے میں یہ جزیرہ ہاتھی دانت کی تجارت کا مرکز بھی رہا ہے۔ جزیرے کی حدود میں داخل ہوں تو ہر طرف اونچی اونچی چٹانیں بکھری ہوئی ہیں، جن کی بناوٹ ایسی ہے جیسے وہاں کچھ ہاتھی مل کر نہا رہے ہوں۔ کچھ چھوٹی چٹانیں ہاتھی کے بچّوں سے مشابہ دکھائی دیتی ہیں۔ شاید اس وجہ سے بھی اسے ہاتھیوں کا جزیرہ کہا جاتا ہے۔

یہ جزیرہ سیاحوں کے لیے بہت پرکشش ہے اور یہاں کشتیوں کے ذریعے پہنچا جاسکتا ہے۔ مختصر سے خوب صورت جزیرے پر قدیم دور کی کئی عمارات موجود ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے بہت سے نوادرات بھی دریافت کیے ہیں، جو جزیرے کے جنوبی سرے پر واقع اسوان میوزیم میں رکھے گئے ہیں۔ ان میں ایک کیلنڈر کے ٹکڑے بھی شامل ہیں جس کا تعلق فراعینِ مصر کے دور سے ہے۔ دریا میں پانی کی رفتار اور سطح ناپنے کے لیے زمانۂ قدیم میں بنایا گیا نظام یہاں اسوان ڈیم کی تعمیر سے پہلے تک کام کر رہا تھا۔ اس نظام کو 'نیلو میٹر' کہا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے پانی کے بہاؤ کی رفتار اور اس کی بڑھتی ہوئی سطح کا اندازہ لگا کر نشیبی علاقوں میں رہنے والوں کو سیلاب کی آمد سے بروقت آگاہ کیا جاتا تھا۔ ایسا ایک نظام رومن دور کے ایک بڑے معبد کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ معبد سے پتھر کی سیڑھیاں دریا کی سطح تک چلی جاتی ہیں۔ ان سیڑھیوں پر عربی، ہندی، رومی اور قدیم مصری زبانوں میں اعداد و شمار کندہ کیے گئے ہیں، جو سطحِ آب کا اندازہ لگانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ پرانے وقتوں میں یہ جزیرہ گرینائیٹ کے ذخیروں کی وجہ سے بھی اہمیّت رکھتا تھا اور یہاں سے مصر کے دیگر حصّوں میں یادگاریں بنانے کے لیے گرینائیٹ فراہم کیا جاتا تھا۔

آج کل یہاں جزیرے کے وسطی حصّے کے تین دیہاتوں میں لوگ آباد ہیں جو سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جزیرے کے شمالی حصّے میں کھجور کے سرسبز درختوں میں گھری ایک شاندار ہوٹل کی عمارت ہے، جہاں دریائے نیل کی سیر اور جزیرے کی پرسکون فضا سے لطف اندوز ہونے کے لیے آنے والے لوگ قیام کرتے ہیں۔

(مئی، جون: 2018ء)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

17 دریائے نیل کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ اس کی مصر کے جغرافیہ میں کیا اہمیّت ہے؟

[2]

18 دریائے نیل کے ایک جزیرے کو ہاتھیوں کا جزیرہ کہنے کی نمایاں وجہ کیا ہے؟ اور یہ کس شہر کی حدود میں شامل ہے؟

[2]

19 سیّاحوں کے علاوہ اور کون لوگ اس جزیرے پر جانا چاہیں گے؟ اور کیوں؟

[2]

20 نیلو میٹر سے کن چیزوں کی پیمائش کی جاتی تھی؟ کس تبدیلی کے بعد یہ نظام کارآمد نہیں رہا؟

[3]

21 قدیم دور میں مصر کے لوگوں کے لیے نیلو میٹر کی کیا افادیت تھی؟

[2]

22 اس جزیرے پر کون سی قدرتی شے پائی جاتی ہے اور اس کا کیا استعمال کیا جاتا رہا ہے؟

[2]

23 مقامی آبادی کا طرزِ رہائش کیسا ہے؟ سیّاحوں کی رہائش کے لیے کیا انتظام موجود ہے؟

[2]

ذرائع ابلاغ کا ارتقاء

بے تار پیغام رسانی کی کوششوں کا آغاز اگرچہ انیسویں صدی میں ہو چکا تھا، لیکن بیسویں صدی کے آغاز تک ریڈیو ابھی اپنے ارتقائی مراحل میں تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران صرف جدید ترین ٹیکنالوجی رکھنے والے جنگی ہوائی جہازوں میں ہی ریڈیو سسٹم نصب ہوتا تھا۔ زمینی افواج کے لیے ریڈیو کے وزنی آلات کی مورچوں تک ترسیل ایک مشکل کام تھا اس لیے تار والے ٹیلی فون اور ٹیلی گرام کے مقابلے میں اس کا استعمال محدود تھا۔ البتہ بحری جہازوں کے آپس میں اور زمینی سٹیشنوں سے رابطے کے لیے اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہوا۔ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے تک ٹیکنالوجی میں کافی بہتری آچکی تھی، لہٰذا بیٹری سے چلنے والے نسبتاً چھوٹے سائز کے ریڈیو نا صرف زمینی جنگ میں پیغام رسانی کے لیے استعمال ہوئے بلکہ ریڈیو ہوائی جہازوں، آبدوزوں اور ٹینکوں کا بھی لازمی حصّہ بن چکا تھا۔ ریڈیو کی نشریات زیادہ فاصلے تک سنی جاسکتی تھیں۔ لوگ جنگ کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے ریڈیو کی خبروں پر بھروسہ کرتے تھے، اسی لیے ریڈیو کو افواہیں پھیلانے کے لیے بھی خوب استعمال کیا گیا۔ بعد میں جیسے جیسے عام آدمی تک ریڈیو کی رسائی ہوئی، تفریحی اور معلوماتی پروگرام بھی ریڈیو کی باقاعدہ نشریات کا حصّہ بن گئے۔

ریڈیو پر چونکہ صرف آواز ہی واحد ذریعۂ ابلاغ ہوتی ہے اس لیے تفریحی پروگراموں اور ڈراموں میں مکالموں کی ادائیگی اور صوتی اثرات کے استعمال سے ہی تمام منظر کشی کی جاتی ہے۔ ریڈیو پر صداکاری کا تجربہ رکھنے والے افراد دیگر شعبوں مثلاً ٹیلی ویژن، فلم اور تھیٹر میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے رہے ہیں۔ گویا اداکاری کے شوقین افراد کے لیے ریڈیو ایک تربیتی ادارے کا کردار ادا کرتا ہے۔

اگر ہم آج سے 40 برس پہلے کے وقت کی بات کریں تو ریڈیو کو جو مقام حاصل تھا وہ اب نہیں رہا۔ الیکشن ہو یا زمانہ جنگ یا کوئی رونما ہونے والا اہم واقعہ، لوگ ہوٹلوں، محلوں اور گھروں میں شوق اور اہتمام سے خبریں سنتے تھے۔ نیز صوتی ڈرامے اور دیگر تفریحی پروگرام بھی بے حد مقبول تھے۔ ریڈیو کے لیے لکھنے والوں میں بہت سے مشہور قلم کار شامل تھے۔ 1960 کی دہائی میں جن لوگوں کے پاس ریڈیو ہوتا تھا وہ مالی طور پر بہتر سمجھے جاتے تھے کیونکہ متوسط طبقے کے پاس یہ سہولت کم ہی ہوتی تھی۔ نت نئی تکنیکی ایجادات کی وجہ سے ریڈیو کے سامعین میں کمی تو آئی ہے، مگر اب بھی کام کاج کرتے ہوئے یا دورانِ سفر گاڑی میں اکثر لوگ ریڈیو سنتے ہیں۔ بہت سے ایف ایم چینل اسی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر کام کر رہے ہیں۔ لیکن ان چینلز پر زیادہ تر صرف موسیقی کے پروگرام ہی نشر کیے جاتے ہیں۔ کوئی بامقصد پروگرام یا معیاری تفریحی پروگرام بمشکل ہی کبھی سننے کو ملے گا۔

(مئی، جون: 2018ء)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

24 پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں پیغام رسانی کے لیے زیادہ تر کون سے ذرائع استعمال کیے گئے؟

____

[2] ____

25 پہلی جنگِ عظیم کے دوران بحری افواج نے ریڈیو سے کیسے فائدہ اٹھایا؟

____

[2] ____

26 دوسری جنگِ عظیم میں کن دو وجوہات کی بنا پر ریڈیو کا استعمال زیادہ ہوا؟

____

[2] ____

27 دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ریڈیو سے کس قسم کے پیغامات نشر کیے جاتے تھے؟

____

____

[3] ____

28 ریڈیو اور ٹی وی کے ڈرامے میں کیا بنیادی فرق ہے؟

[1] ____

29 موجودہ دور سے موازنہ کریں تو ماضی میں ریڈیو سے متعلق کیا باتیں مختلف تھیں؟

____

____

[3] ____

30 عبارت کے مطابق آج کل ریڈیو پر کس قسم کے پروگراموں کی کمی ہے؟

____

[2] ____

جیک لندن

تقریباً ایک صدی پہلے کا ذکر ہے کہ ایک خستہ حال نوجوان ایک مال گاڑی سے لٹک کر بفلو شہر میں داخل ہوا اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے گھر گھر کھانا مانگنے لگا۔ ایک سپاہی نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑ لیا اور اسے ایک ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ لیکن صرف چھے برس بعد جیک لندن نامی یہی نوجوان، مغربی امریکہ کی ایک اہم شخصیت بن گیا۔ ادیب اور نقاد اسے ادبی دنیا کا ایک اہم اور روشن ستارہ سمجھنے لگے۔

جیک لندن 1876ء میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپن افلاس اور سختیوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہ کان کن بھی رہا اور سمندری جہازوں اور کارخانوں میں بھی مزدوری کرتا رہا۔ کئی مرتبہ قید خانے کی ہوا کھائی۔ اس نے ہائی سکول سے پہلے ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا، مگر اسے کتابیں پڑھنے کا جنون تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے وہ ایک پبلک لائبریری میں جا بیٹھتا اور اکثر دن میں پندرہ گھنٹے تک مطالعہ کرتا رہتا۔ یہاں ایک مہربان لائبریرین نے اس کی بہت مدد کی۔ 1893ء میں وہ ایک خطرناک سمندری سفر سے واپس آیا تو اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات اپنی ماں کو سنایا کرتا تھا جنھیں وہ شوق سے سنتی تھی۔ اسی دوران ایک مقامی اخبار میں تحریری مقابلے کا اشتہار دیکھ کر اس نے جیک کو مقابلے میں حصّہ لینے کا مشورہ دیا۔ جیک نے اس مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس واقعے نے جیک کے لیے نئی راہیں کھول دیں اور اس نے کہانیاں لکھ کر مختلف رسائل میں اشاعت کے لیے مدیروں کو بھیجنا شروع کیں، مگر وہ تمام مسترد کر کے واپس بھیج دی جاتیں۔ بالآخر اس نے اپنی علمی قابلیت بڑھانے کے لیے انیس برس کی عمر میں ہائی سکول کا امتحان دیا اور یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔

1896ء میں کلون ڈائیک میں سونا دریافت ہوا تو ہر طبقۂ زندگی سے لوگ اپنا کام چھوڑ کر سونے کی تلاش میں دوڑے۔ جیک لندن بھی ان میں شامل تھا۔ وہ ایک سال تک سونا حاصل کرنے کی جدّوجہد میں انتہائی سخت حالات کا سامنا کرتا رہا۔ جیک لندن نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ سونا تلاش کرنے والے تو شاید کبھی امیر نہ ہو سکیں، لیکن وہاں کے مقامی تاجروں کی خوب چاندی ہو رہی تھی۔ آخر تھک ہار کر کیلی فورنیا واپس آیا اور جسمانی محنت ترک کر کے اپنا تمام وقت اپنے ادب کے جنون کے لیے وقف کر دیا۔ سونے کی تلاش کے دوران اس کے تجربات اور مشاہدات بعد میں بہت سی کہانیوں کی صورت میں سامنے آئے۔ 1898ء سے 1903ء تک اس کی چھے کتابیں اور 125 کہانیاں شائع ہو چکی تھیں۔ ادبی دنیا میں اس کا چرچا تھا اور اس کی سالانہ آمدنی کسی بھی ادیب سے زیادہ تھی، لیکن اپنی شاہانہ طرزِ زندگی کو جاری رکھنے اور کثیر اخراجات کی ادائیگی کے لیے وہ مسلسل کتابیں لکھتا رہا۔ بائیس سال کی عمر میں اپنی ادبی زندگی کے آغاز سے صرف اٹھارہ برس بعد 1916ء میں جیک لندن وفات پا گیا۔

(مئی، جون:2018ء)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

24 مال گاڑی سے لٹک کر سفر کرنے والا نوجوان کس حیثیت سے مشہور ہوا؟ اسے جیل کیوں جانا پڑا تھا؟

[2]

25 عبارت کے مطابق جیک لندن جسمانی محنت والے کن پیشوں سے منسلک رہا؟

[2]

26 جیک نے کتابیں پڑھنے کا شوق کیسے اور کس کی مدد سے پورا کیا؟

[2]

27 جیک لندن کو لکھنے کی ترغیب کس نے اور کیوں دی؟ مقابلہ جیتنے سے اس کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

[3]

28 جیک کی ابتدائی کہانیوں کا انجام کیا ہوا؟ اور اسے اپنے اندر کس کمی کا احساس ہوا؟

[2]

29 سونے کی تلاش کی مہم کا سب سے زیادہ فائدہ کسے ہوا اور جیک لندن کے تجربے سے کیا غیر متوقع نتیجہ نکلا؟

[2]

30 عبارت کے مطابق جیک لندن کی زندگی میں لکھنے کا مقصد کیسے تبدیل ہوا؟

[2]

مہندی

مہندی زمانۂ قدیم سے ہی عورتوں کے سنگھار کا اہم جزو رہی ہے۔ دنیا کے بہت سے علاقوں میں تہواروں اور شادی بیاہ کے موقع پر مہندی لگانا ثقافت کا ایک اہم حصّہ ہے۔ ہاتھوں اور پاؤں پر دیدہ زیب نقش و نگار بنانے کے علاوہ اس سے بال اور ناخن بھی رنگے جاتے ہیں۔ سیاہ رنگ کی مہندی بھی عام ہے، جو مہندی کے بجائے کسی اور پودے کے پتوں میں کیمیائی اجزا ملا کر بنائی جاتی ہے۔

ایک دور تھا جب مہندی کے خشک پتّوں کے سفوف میں پانی ملا کر اسے پورے ہاتھ یا پاؤں کے تلووں پر پھیلا کر لگایا جاتا تھا۔ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ پھرتنکے یا پِن کی مدد سے ڈیزائین بنائے جانے لگے۔ جدید دور میں ماضی کی بہت سی روایات تبدیل ہو چکی ہیں۔ عید کی آمد سے پہلے عزیزوں اور دوستوں کو ڈاک سے عید کارڈ بھیجنے کے بجائے ای کارڈ اور عید کے دن پردیس میں رہنے والوں سے فون پر بات کرنے کی بجائے ٹیکسٹ میسج بھیجے جاتے ہیں۔ کپڑوں کی گھر میں سلائی اور گوٹا کناری ٹانکنے کے بجائے بازار سے ریڈی میڈ کپڑے خریدے جاتے ہیں۔ ہاں البتہ مہندی اب بھی پورے شوق اور دلچسپی کے ساتھ لگائی جاتی ہے، لیکن اب کون مہندی کا رواج ہے۔ اس کا مقصد تو شاید استعمال میں آسانی پیدا کرنا تھا، مگر مشکل اور پیچیدہ ڈیزائینوں کی مقبولیّت نے مہندی لگانے کو باقاعدہ ایک فن کا درجہ دے دیا ہے جسے آج کل کئی لوگ بطور پیشہ اپنا لیتے ہیں۔ تہواروں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر ان لوگوں کے ہاں رش کافی بڑھ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عید کے دنوں میں بھی جگہ جگہ مہندی کے سٹال لگائے جاتے ہیں۔

مہندی کی تاریخ 5000 سال قبل مصر سے شروع ہوتی ہے۔ قدیم مصری فرعون کی ممی بناتے وقت لاش کے ہاتھوں اور ناخنوں پر مہندی لگاتے تھے تاکہ موت کے بعد ان کی شناخت بطور فرعون ہو سکے۔ جبکہ قدیم زمانے میں عرب کے علاقوں میں مہندی کی پتیوں سے کپڑے کو خوشبودار بنانے کے لئے رنگا جاتا تھا۔ عرب کے بعض حوالوں میں اسے "سید الریحان" یعنی خوشبودار پودوں کا سردار کہا گیا ہے ۔ مہندی کے جسم پر ٹھنڈے اثرات کی بنا پر کئی صحرائی علاقوں میں اسے گرمی سے بچاؤ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مغل بادشاہوں نے پہلی بار برصغیر میں مہندی کو بارہویں صدی میں متعارف کروایا۔ اس وقت صرف ملکہ، شہزادیاں اور امیر خواتین ہی مہندی لگاتی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے خاندانوں میں مہندی کا رواج عام ہو گیا۔ مہندی کو اس کی طبّی خصوصیات کی وجہ سے جلدی بیماریوں کے علاج میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قدرتی مہندی سرخ رنگ دیتی ہے۔ آج کل اس میں مختلف غیر قدرتی اجزا کی آمیزش سے چند منٹوں میں گہرا رنگ حاصل کر لیا جاتا ہے۔ مہندی، خصوصاً اس میں شامل غیر قدرتی کیمیائی اجزا کچھ لوگوں کے لیے الرجی یا جلد کی سوزش کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔

(مئی، جون:2018ء)

سوالات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب جہاں تک ممکن ہو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

17 کالی مہندی عام استعمال ہونے والی مہندی سے کس طرح مختلف ہے؟

____

______________________________ [2]

18 'کون مہندی' متعارف ہونے سے قبل مہندی لگانے کے کیا طریقے رائج تھے؟

____

______________________________ [2]

19 عبارت کے مطابق عید سے متعلق کون سی تین روایات اب ماضی کا حصّہ بن چکی ہیں؟

____

____

______________________________ [3]

20 کون مہندی کیوں متعارف کرائی گئی؟ اور مہندی لگانا کچھ لوگوں کا ذریعۂ آمدنی کس وجہ سے بنا؟

____

______________________________ [2]

21 جسمانی آرائش کے علاوہ مہندی مختلف ادوار میں کن مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے؟

____

____

______________________________ [3]

22 مہندی میں غیر قدرتی اجزا کیوں شامل کیے جاتے ہیں؟

______________________________ [1]

23 طبّی نقطۂ نظر سے مہندی کا ایک فائدہ اور ایک نقصان بتایئے؟

____

______________________________ [2]